شریعت بل کا علمی جائزہ

جناب مولانا گوہر رحمٰن صاحب

موجودہ حالات میں پارلیمنٹ میں بھی، اخبارات میں بھی اور مجالس و مواعظ میں بھی ذہنوں کو پراگندہ کرنے والی قسم قسم کی بحثیں شریعت بل کے متعلق چل رہی ہیں۔

اس وقت ضرورت تھی کہ اہلِ اخلاص میں سے علومِ دینیہ کا کوئی فاضل میدان میں آ کر ساری بحث کو منقح کر دے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس دینی و قومی ضرورت کو پورا کرنے کی توفیق اللہ تعالےٰ نے شیخ التفسیر مولانا گوہر رحمٰن ممبر قومی اسمبلی و صاحبِ مدرسہ تفہیم القرآن کو عطا کی۔ مولانا محترم کا نہ صرف مطالعہ وسیع ہے، بلکہ تفسیر، حدیث اور فقہ کی اکثر کتابوں کے ضروری حوالے از بر ہیں۔ انہوں نے شریعت بل کے سلسلے میں اٹھنے والے اعتراضات کو سامنے رکھ کر ہر مسئلے پر نہایت پُرزور اور مدلل گفتگو فرمائی ہے۔ ماہنامہ ترجمان القرآن کی خوش قسمتی ہے کہ اس اہم مقالے پر مشتمل یہ خاص نمبر پیش کر رہا ہے۔ خدا ان مساعی کو قبول کرے۔

(ادارہ)

تمہید | "متحدہ شریعت محاذ" کا متفقہ شریعت بل تقریباً دو سال سے پاکستان کے ایوانِ بالا (سینٹ) میں زیرِ غور ہے۔ ملک کے تمام مکاتبِ فکر کی نمائندگی کرنے والے علمائے دین، ماہرینِ شریعت اور ماہرینِ قانون نے اس بل کی توثیق کر دی ہے۔ ۱۳ لاکھ سے زائد عوام نے تحریری طور پر اس کو منظور کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ ملک بھر میں اس بل کے حق میں جلسے اور مظاہرے ہو رہے ہیں، لیکن حکمران پارٹی (مسلم لیگ جونیجو گروپ) اسے منظور کرنے میں مسلسل ٹال مٹول اور لیت و لعل سے کام لے رہی ہے،

بلکہ وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے تو اپنے حالیہ دورۂ برطانیہ کے دوران لندن میں دل میں چھپی ہوئی بات کو ظاہر بھی کر دیا ہے کہ "ہم شریعت بل کو منظور نہیں کر سکتے، اس لیے کہ اس سے ایک فرقے کی بالادستی قائم ہو جائے گی" حالانکہ بل میں کسی جگہ بھی کسی خاص فرقے کی فقہ اور کسی خاص مجتہد کے اجتہاد کا ذکر نہیں ہے، بلکہ اس بل کا مقصد یہ ہے کہ فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر تمام مسلمانوں کو قرآن و سنت کی بالادستی پر مجتمع کر دیا جائے۔ اور "ملی اتحاد" کی فضا پیدا کی جائے۔

بل کے ناقدین

شریعت بل پر تنقید کرنے والوں کا ایک گہرا اور جامع تجزیہ کیا جائے تو ان کی قسمیں تین ہی بنتی ہیں:-

۱- حکمران طبقہ

۲- سیکولر عناصر

۳- وہ دینی جماعتیں جو موجودہ پارلیمنٹ اور حکومت کو غیر آئینی سمجھتی ہیں۔

۱- حکمران طبقہ

اس وقت اگرچہ حکومت جونیجو گروپ کی ہے، لیکن حکومت اور پارٹی کی لیڈرشپ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے اس مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں ہے جو ۴۰ سال تک بلکہ انگریزوں کے دورِ حکومت میں بھی غریبوں، محنت کشوں، کسانوں اور ہاریوں کا استحصال کرتا رہا ہے۔ اور اب بھی کر رہا ہے۔ شریعت چونکہ ہر قسم کے استحصال، سرمایہ پرستی اور جاگیرداری و سرداری سسٹم کی جڑیں کاٹتی ہے۔ اس لیے یہ حکمران ٹولہ نفاذِ شریعت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ حکمران طبقے کی مخالفت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی تعلیم، تربیت اور طرزِ معاشرت خالص انگریزی طرز پر ہوئی ہے۔ اور نفاذِ شریعت سے ظاہر ہے کہ انگریزی قانون، انگریزی تہذیب اور انگریزی معیشت کا خاتمہ ہوگا۔ اور اس کی جگہ اسلامی قانون، اسلامی تہذیب اور اسلامی معیشت آ جائے گی۔ عام مسلم لیگی ورکروں نے تو اسلام ہی کے لیے کام کیا تھا۔ اور اب بھی کر رہے ہیں۔ لیکن حکمران طبقہ مذکورہ دو بیماریوں میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اور شریعت کے نسخۂ کیمیا کے ذریعے ان بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے تیار بھی نہیں ہے۔

۲- سیکولر عناصر

سیکولرازم، مذہب اور سیاست کی مکمل علیحدگی یعنی دین و مذہب سے آزاد نظامِ حکومت کا نام ہے۔ پاکستان میں محدود تعداد میں ایسے عناصر موجود ہیں جو اسے ایک سیکولر سٹیٹ

بنانا چاہتے ہیں۔ ان عناصر میں کچھ تو مغرب کی سرمایہ دارانہ اور لادینی ڈیموکریسی کے پرستار ہیں، جسے علامہ اقبالؒ نے چنگیزیت کا مُردہ ضمیر، دیوِ بے زنجیر اور دیوِ استبداد کے نام سجا طور پر دیئے ہیں، اور کچھ اشتراکیت و سوشلزم و کمیونزم کے دلدادہ ہیں، جس کی بنیاد ہی مذہب سے انکار پر ہے۔ اور "مذہب ایک افیون ہے"۔ اس نظام کے داعی کا اول مارکس کا نعرہ تھا۔ اسلامی نظام کی بنیاد چونکہ خدا کی حاکمیت اور قرآن و سنت کی بالادستی ہے اور اسلام اپنا منفرد نظام رکھتا ہے، جو نہ پاپائیت اور تھیاکریسی ہے، نہ سیکولر ڈیموکریسی ہے اور نہ اشتراکیت ہے، بلکہ خدا و رسول کی اطاعت پر مبنی ایک شورائی اور فلاحی نظام ہے۔ اس لیے سیکولر عناصر کی شریعت بل پر تنقید اور اس کی مخالفت ان کے مذہب سے آزاد سیاسی نظریئے کا منطقی نتیجہ ہے جو سامنے آرہا ہے۔

۳۔ دینی عناصر | حکمران طبقہ اور سیکولر عناصر تو اپنی مریض ذہنیت کی وجہ سے نفاذِ شریعت کے راستے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، لیکن دینی جماعتوں میں سے جمعیت علمائے اسلام، فضل الرحمٰن گروپ جمعیت اہلِ حدیث علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم گروپ اور جمعیت علماء پاکستان نورانی گروپ نفاذِ شریعت کے مخالف نہیں ہیں۔ اِن جماعتوں نے تحفظِ ختمِ نبوت اور نظامِ مصطفیٰؐ کی تحریکوں میں ملک کی دوسری دینی تنظیموں کے ساتھ مل کر شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ہم ان حضرات کے بارے میں یہ حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ یہ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ یا جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی جاگیر بنانا نہیں چاہتے، بلکہ اسے دارالاسلام بنانا چاہتے ہیں۔ متحدہ شریعت محاذ کے ساتھ ان کا اختلاف رائے نفاذِ شریعت کے مسئلے پر نہیں ہے بلکہ موجودہ حکومت اور پارلیمنٹ کے آئینی ہونے یا نہ ہونے کے مسئلے پر ہے۔ اِن حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ غیر جماعتی طرز انتخاب کے ذریعے بننے والی پارلیمنٹ اور حکومت آئینی نہیں ہے۔ اور اسے قانون سازی کا سرے سے حق ہی حاصل نہیں ہے۔ اس لیے صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ فوری طور پر جماعتی طرز پر انتخابات کرائے جائیں۔ اور ان انتخابات کے نتیجے میں جو حکومت بنے اور جو پارلیمنٹ وجود میں آئے اس سے نفاذِ شریعت یا نظامِ مصطفیٰؐ (دونوں ایک ہی چیز ہیں) کا مطالبہ کیا جائے۔ اس نقطۂ نظر کے مقابلے میں "متحدہ شریعت محاذ" کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگرچہ زیادہ بہتر اور پاکستان کے

حالات کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھنے والا طریقۂ انتخاب جماعتی ہے لیکن غیر جماعتی طرزِ انتخاب بھی کوئی غیر جمہوری، غیر آئینی اور شجرِ ممنوعہ قسم کی چیز نہیں ہے کہ اس کے ذریعے بننے والی پارلیمنٹ سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرنا ممنوع قرار دیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شریعت تو پوری کی پوری آج سے ۱۴ سو سال پہلے اس وقت تک نافذ ہو چکی تھی جس وقت دین کی تکمیل ہوئی تھی۔ اور اس کے نافذ کرنے والے حاکمِ حقیقی اور مقتدرِ اعلیٰ کے مستند اور معصوم نمائندے یعنی نیابتی حاکم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو یقینی طور پر شریعت نافذ کرنے کے مجاز تھے۔ سوال صرف نافذ شدہ شریعت پر عمل درآمد کرنے کا ہے۔ پاکستان کے حکمران نافذ شدہ اور مسلمانوں کی تسلیم شدہ شریعت سے باغیانہ طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہیں۔ شریعت بل کا مقصد اسی باغیانہ طرزِ عمل کو ختم کرانا ہے۔ مصالح مرسلہ اور مباحات کے وسیع دائرے میں مسلمانوں کی منتخب و معتمد مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) کو اگرچہ قانون سازی کا حق حاصل ہے، لیکن قرآن وسنت اور اجماعِ اُمت کے واضح اور طے شدہ احکام (شریعت) کے نفاذ کے لیے پارلیمنٹ کی منظوری ضروری ہی نہیں ہے۔ صرف باغیانہ طرزِ عمل کو ختم کر کے پہلے سے نافذ شدہ اور مقتدرِ اعلیٰ (اللہ رب العزت) کی منظور شدہ شریعت پر عمل درآمد کرانے کے لیے شریعت بل پیش کیا گیا ہے۔ نقطۂ نظر کا یہ اختلاف طریقِ کار میں ہے، ورنہ نفاذِ شریعت تمام دینی جماعتوں کا اصل ہدف ہے۔

شریعت بل کا علمی جائزہ مذکورہ تمہیدی کلمات سے واضح ہو گیا ہے کہ اہلِ علم اور دینی جماعتوں کا شریعت بل سے اُصولی اختلاف نہیں ہے، لیکن چونکہ حکمران طبقہ اور سیکولر عناصر اس متفقہ بل کو اختلافی اور ایک فرقہ کی بالادستی کا بل قرار دینے کے لیے پوری منصوبہ بندی اور سازش کے تحت پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بل کا ایک علمی جائزہ عوام کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ ان کے اذہان میں پیدا ہونے والے شبہات کا ازالہ ہو سکے۔ اور وہ اپنے نمائندوں اور اپنی حکومت پر اس بل کو منظور کرنے کے لیے جمہوری اور شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے دباؤ ڈال سکیں۔ اور نفاذِ شریعت کی تحریک میں پوری یکسوئی اور شرحِ صدر کے ساتھ شریک ہو سکیں۔

شریعت کی تعریف قرآن و سنت کی روشنی میں

جائزہ ۵ | متفقہ شریعت بل میں کہا گیا ہے کہ "شریعت سے مراد قرآن و سنت ہیں" (دفعہ ۲ - ج)
ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر جس تعریف پر سو فیصد متفق ہو سکتے ہیں اور متفق ہیں وہ یہی ہے اور یہی ہو سکتی ہے جو بل میں کی گئی ہے۔ عربی زبان میں شریعت راستے کو کہتے ہیں۔ لیکن قرآن کی اصطلاح میں شریعت دین کا وہ راستہ ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا

(الجاثیہ: ۴۵-۱۸)

"پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص راستے پر ڈال دیا ہے، آپ اسی پر چلے جائیے۔"

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ "پھر ہم نے ڈال دیا ہے" سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ شریعت اللہ کے مقرر کردہ اور متعین کردہ طریقے اور راستے کو کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وحی پر مبنی راستہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور وحی قرآن و سنت ہی کا دوسرا نام ہے۔ قرآن وحی جلی ہے جس کے الفاظ اور معنی دونوں نازل شدہ ہیں۔ اور سنت وحی خفی ہے، جس کے معانی اور مضامین نازل شدہ ہیں اور الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ - (المائدہ ۵-۴۸)

"پس فیصلے کیا کرو ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون پر اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اس حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آچکا ہے۔"

معلوم ہوا کہ شریعت اس قانون کو کہتے ہیں جو اللہ نے نازل کیا ہے اور اس حق کو کہتے ہیں جو رسول اللہ کے پاس آچکا ہے۔ ظاہر ہے کہ ما انزل اللہ اور ما جاءك من الحق سے مراد وحی ہی ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم کی بیسیوں آیات میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد قرآن و سنت کی اطاعت ہی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة نبیه (موطا امام مالک)

"میں نے تمہارے درمیان دو قسم کے احکام چھوڑے ہیں۔ جب تک تم ان دونوں کے پابند رہو گے تو راہ راست سے بھٹک نہیں سکو گے۔ اللہ کی کتاب اس کے نبی کی سنت۔"

اس مضمون کی سینکڑوں احادیث اور بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت کی تعریف خود رسول اللہ نے یہ کی ہے کہ اس سے مراد قرآن و سنت ہے۔

ماہرین شریعت کی تحقیق فقہ حنفی کے مشہور امام فخر الاسلام بزدوی المتوفی ۴۸۲ھ فرماتے ہیں:

واصل الشرع الکتاب والسنة[1]

"شرعی قوانین کا ماخذ قرآن و سنت ہیں۔"

امام مالک متوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں:

"قانون تو صرف دو ہیں ایک وہ جو اللہ کی کتاب سے ثابت ہو اور دوسرا وہ جو سنت رسول سے ثابت ہو۔"[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں:

والشریعة انما هی کتاب الله وسنة رسول الله .... فی العقائد والاحوال والعبادات والاعمال والاحکام والسیاسیات[3]

"شریعت صرف قرآن و سنت ہے عقائد اور اخلاق میں بھی، عبادات اور اعمال میں بھی اور احکام و سیاسیات میں بھی۔"

---

[1] اصول بزدوی طبع کراچی ص ۶

[2] جامع بیان العلم از ابن عبد البرؒ جلد ۲ ص ۲۵

[3] مجموعۂ فتاویٰ شیخ الاسلام طبع ریاض ۱۳۸۲ھ جلد ۱۹ ص ۳۰۸

قرآن وسنت کی تعبیر کے لیے رہنما مآخذ

شریعت بل کی دفعہ ۳ کی توضیح اس طرح کی گئی ہے:

قرآن و سنت کے احکام کی تعبیر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل مآخذ سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

۱۔ سنتِ خلفائے راشدین

۲۔ تعاملِ اہل بیتِ عظام وصحابہ کرامؓ

۳۔ اجماعِ امت

۴۔ مسلمہ فقہائے اسلام کی تشریحات و آراء

یہ ایک ناقابلِ تردید اور مسلمہ اصول ہے کہ کسی قانون یا آئین کی تعبیر و تشریح وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کے ماہرین ہوں۔ اور تعبیر و تشریح کے کچھ اصول اور رہنما مآخذ بھی ہوتے ہیں، جن کی روشنی میں تعبیر کی جاتی ہے۔ ہر شخص کو آزاد اور غیر مشروط تعبیر کی کھلی چھٹی دینا کوئی معقول طریقہ نہیں ہے۔ اس سے تو فکری انتشار رونما ہوتا ہے۔ اور فرقہ واریت کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔ جس کے جی میں جو آئے وہ اگر شریعت سمجھ لی جائے تو جتنے جج ہوں گے اتنی ہی شریعتیں وجود میں آجائیں گی اور مسلمانوں کا رابطہ اپنی چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ سے کٹ جائے گا۔ ہر شخص اپنی من مانی اور دل پسند تعبیر کو شریعت اور قرآن و سنت کا قانون سمجھنے لگے گا اور شریعت بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گی۔

—— کوئی کہے گا کہ خاتم النبیین کی تعبیر یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہیں۔ یہ نہیں کہ آپ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ نبی تو قیامت تک آتے رہیں گے البتہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہوں گے۔

—— کوئی رجم کی احادیث سے انکار یا اُن کی من مانی تعبیر کر کے کہے گا کہ شریعت میں زانی کو رجم کی سزا نہیں دی جا سکتی۔

—— کوئی قرآن و سنت کی من مانی تعبیر و توجیہہ کر کے کہے گا کہ عورت کی شہادت ہر معاملے میں مرد کے برابر ہے۔

—— کوئی کہے گا کہ جدید دور کا تجارتی سُود اُس "الربا" میں شامل نہیں ہے جو قرآن میں حرام کیا گیا ہے۔

—— کوئی کہے گا کہ نماز قائم کرنے سے مراد مرکز ملت کا اتباع ہے۔ زکوٰۃ سے مراد معاشرے کو پاک وصاف رکھنا یا انسان کی صلاحیتوں کو نشوونما دینا ہے اور حج سے مراد مسلمانوں کی عالمی کانفرنس ہے۔

درج بالا مثالیں صرف مفروضے نہیں ہیں بلکہ عملاً اس دور میں متجددین ایسی تعبیریں اور تفسیریں کرتے ہیں۔ شریعت بل میں اس قسم کی تحریف، تجدد اور الحاد کا راستہ روکنے کے لیے قرآن و سنت ہی سے ثابت شدہ مذکورہ ماخذ سے رہنمائی لینے کی پابندی لگائی گئی ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ قرآن و سنت کی تعبیر کا حق علمائے دین کے مخصوص طبقے ہی کو حاصل ہوگا۔ استعداد اور صلاحیت رکھنے والا ہر شخص تعبیر کر سکتا ہے۔ کسی مخصوص طبقے کی اجارہ داری بل میں تسلیم نہیں کی گئی۔ صرف تعبیر کے مسلمہ اُصولوں سے ہی استفادے کی پابندی لگائی گئی ہے، جو معقول بھی ہے اور ضروری بھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مذکورہ چار راہنما ماخذِ شریعت محاذ اور شریعت بل کے محرکین کے ذہنی اختراع اور ذاتی اجتہاد پر مبنی ہیں، یا ان کا ثبوت قرآن و سنت سے بھی ملتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ مذکورہ ماخذ سے راہنمائی حاصل کرنے کا ثبوت قرآن و سنت میں بھی موجود ہے، جواب کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

سنتِ خلفائے راشدینؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت یعنی قرآن و سنت کے جن احکام کو اللہ تعالیٰ کے نمائندے اور نیابتی حاکم کی حیثیت سے نافذ کیا تھا اور ان احکام کے نفاذ کے لیے جو نظامِ حکومت قائم کیا تھا، رسول اللہ کے چاروں خلفاء، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ آپ کی زندگی میں وزراء اور معاونین کی حیثیت سے اور آپ کے وصال کے بعد خلفاء کی حیثیت سے اس نظامِ حکومت کی ذمہ داریوں میں براہ راست شریک تھے۔ رسول اللہ کو ان کے علم، بصیرت، فراست اور دیانت و امانت پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اس لیے قرآن و سنت کی جو تعبیر ان چاروں نے متفقہ طور پر کی ہو، یا ان میں سے کسی ایک نے کی ہو، اُسے ترجیح دینا اور اسے صحیح تعبیر قرار دینا معقول بھی ہے، فطری بھی ہے اور فکری و ذہنی انتشار کے سدِباب کا مؤثر ترین ذریعہ بھی ہے۔

ا۔ سورۃ النور کی آیت ۵۵ میں جس خلافت کا ذکر ہوا ہے کہ اس میں دین اسلام غالب ہوگا

امن قائم ہوگا، اس میں لوگ اللہ کی بندگی کریں گے اور شرک سے دور رہیں گے اور جو لوگ اس خلافت سے انکار کریں گے وہ فاسق ہوں گے۔ اس کا پہلا اور معیاری مصداق مذکورہ چار خلفاء ہی کی خلافت ہے۔ اس جیسی خلافت بعد میں آج تک قائم نہیں ہو سکی۔ اور فضیلت میں آج تک درج بالا خلفائے راشدین سے کوئی آگے نہیں بڑھ سکا۔ راشدین یعنی "راہ راست پر قائم رہنے والے" کا لقب ان کو خود اللہ رب العالمین نے دیا ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (الحجرات - ۷) ظاہر ہے کہ جو شخص فیصلوں میں اور قرآن و سنت کی تعبیر میں خلافتِ راشدہ سے رہنمائی حاصل نہیں کرتا وہ غیر ذمہ دارانہ روش کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اور فسق کا راستہ کھول رہا ہے۔

۲۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے:

فاما وزیرای من اھل الارض فابو بکرؓ وعمرؓ۔[1]

"زمین والوں میں سے میرے وزیر ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔"

جو شخص رسول اللہ کے وزیروں کی تعبیر کو نمونۂ عمل نہیں بناتا اس کی ذہنیت کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ مریض ہے۔

۳۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے:

"میری اُمت میں بہترین لوگ وہ ہیں جن میں مجھے بھیجا گیا ہے، پھر وہ ہیں جو اُن کے بعد آئیں گے۔ اور پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے اور پھر جھوٹ زیادہ ہو جائے گا۔"[2]

اس حدیث میں خلفائے راشدین و صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے بہترین ہونے کی شہادت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے تو جو شخص ان کی تحقیق و تعبیر کو نمونۂ عمل اور ماخذِ ہدایت نہیں بناتا وہ حقیقت میں شریعت کو اپنی ذاتی خواہش کے تابع بنانا چاہتا ہے۔

۴۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے:

مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۶۰ - مناقب عمرؓ

[2] ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۸۴ کتاب السنۃ۔

وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ [1]

"تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا تو بہت سے اختلافات دیکھ لے گا۔ پس تم پر لازم ہے کہ میری سنّت کی پیروی کرو اور میرے خلفاء کی پیروی، جو راہ راست پر ہوں گے اور ہدایت یافتہ ہوں گے۔"

معلوم ہوا کہ اختلافات کو مٹانے، اختلاف رائے اور یک جہتی و یگانگت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خلفائے راشدین کے سنّت کے مطابق قرآن و سنّت کی تعبیر کی جائے۔ اور یہ خود رسول اللہ کی ہدایت ہے۔

۵۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہؐ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ اور مجلس میں ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ "میں نہیں سمجھتا کہ تمہارے درمیان مدت تک رہ سکوں گا۔ لہٰذا تم میرے بعد ان کی اقتدا کرو۔ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف اشارہ کیا۔" [2]

یہ ان دلائل کے پانچ نمونے ہیں جن کی بنیاد پر سنّتِ خلفائے راشدین کو قرآن و سنّت کی تعبیر کے لیے رہنمائی کا ایک ماخذ قرار دیا گیا ہے۔

تعاملِ اہل بیت عظامؓ اور صحابہ کرامؓ دوسرا ماخذِ ہدایت وہ طرزِ عمل اور طرزِ فکر ہے جو اہلِ بیتِ رسولؐ یعنی حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے تواتر و توارث کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ و قرناً بعد قرنٍ ہم تک پہنچا ہو۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ قرآن و سنت کسی خلا میں نہیں اُترا تھا، بلکہ دورِ صحابہؓ و اہلِ بیت میں قرآن و سنّت کے احکام کے مطابق ایک معاشرہ وجود میں آیا تھا، جو شریعت کا عملی نمونہ تھا۔ اگر کوئی قرآن و سنّت کی صحیح تعبیر اور حقیقی مفہوم تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُسے اہلِ بیتِ عظامؓ اور صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل اور طرزِ فکر کو بھی مدِّنظر رکھنا پڑے گا۔ جس تعبیر و تشریح پر اہلِ بیتؓ اور صحابہ کرامؓ عمل کرتے رہے ہوں۔ اس کے مخالف اور بالکل برعکس کوئی تعبیر کرنا تحریف و ترمیم تو کہلائی جا سکتی ہے مگر تعبیر و تشریح نہیں

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۷۹ - ابن ماجہ ۵

[2] ترمذی کتاب المناقب ج ۲ ص ۲۰۷ - ابن ماجہ ص ۱۰ فضل ابی بکرؓ

کہلائی جا سکتی - قرآن و سنت کی صحیح تعبیر کرنے اور ان کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے ایمانی فراست اور نورِ ایمان کی بھی ضرورت پڑتی ہے، بلکہ اسے کلیدی حیثیت حاصل ہے - قرآنِ حکیم نے صحابہ کرامؓ جن میں اہلِ بیت بھی شامل ہیں، کے ایمانِ کامل اور معیاری ہونے اور ان کے راہِ راست پر ہونے کی شہادت دی ہے جو سب سے بڑی شہادت ہے - اس شہادتِ خداوندی کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن و سنت کی جو متفقہ تعبیر صحابہ کرامؓ سے ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچی ہے اسے معیار اور ماخذِ ہدایت تسلیم کیا جائے -

ارشادِ خداوندی ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ - (الحجرات - ۷)

"اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسولؐ موجود ہیں بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان میں اگر وہ تمہارا کہنا مان لیں تو تم کو تکلیف پہنچے گی - لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اسے تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا - اور کفر اور فسق اور گناہوں سے تمہیں نفرت دے دی - ایسے ہی لوگ تو راہ راست (حق) پر ہیں"۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"جو لوگ کسی کے طریقے پر چلنا چاہیں (کسی کو نمونۂ عمل بنانا چاہیں) تو رسول اللہؐ کے صحابہؓ کے طریقہ پر چلیں اس لیے کہ یہ امت کے بہترین لوگ تھے، ان کے دل سب سے زیادہ پاک تھے، ان کا علم سب سے زیادہ گہرا تھا، ان کی زندگیوں میں تکلف اور بناوٹ سب سے کم تھی - ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی ہم نشینی کے لیے اور اپنے دین کی اقامت کے لیے چن لیا تھا"۔[1]

[1] مشکوٰۃ شریف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو جن میں اہل بیت بھی شامل ہیں نجومِ ھدایت یعنی راہنمائی کے ستارے قرار دیتے ہوئے ان کی پیروی کو ہدایت کہا ہے[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کے ۷۳ فرقے (یعنی بہت سے فرقے) بن جائیں گے اور یہ سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک کے۔ صحابہؓ نے پوچھا وہ ایک فرقہ کونسا ہے؟ فرمایا:

ما انا علیہ واصحابی

"وہ جو میرے سنّت پر اور میرے اصحاب کی سنّت پر قائم ہو"[2]

اِس حدیث میں بھی اُمت کے انتشار و اختلاف کو ختم کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور وہ ہے سنّتِ رسولؐ اور سنّتِ اصحابِ رسول پر مجتمع ہو جانا۔ اس مضمون کی بہت سی روایات احادیث کی کتابوں میں کتاب المناقب کے عنوان کے تحت مل سکتی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ صحابہؓ کے اختلاف رائے کی صورت میں اجتہاد کے ذریعے کسی ایک رائے کو ترجیح دی جا سکتی ہے اور دوسری رائے کو ترک کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے متفقہ طرزِ عمل اور طرزِ فکر کے خلاف قرآن وسنّت کی تعبیر کا راستہ کھولنا دراصل تحریفِ دین کا دروازہ کھولنا ہے۔

اجماعِ اُمت قرآن وسنّت کی تعبیر کے لیے تیسرا ماٰخذِ ہدایت اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔ یہ ایک بدیہی، معقول اور مسلّمہ حقیقت ہے کہ کسی مذہب کے ماننے والے اگر کسی دور یا کسی زمانے میں سب کے سب بمعہ ان کے مذہبی پیشواؤں اور ماہرین کے کسی تعبیر پر متفق ہو جائیں اور ان کا یہ اتفاق بعد کی نسلوں تک مستند ذریعے سے پہنچ بھی چکا ہو تو اس اجماع و اتفاق کو کوئی دوسرا اجماع تو ختم کر سکتا ہے، لیکن اس کے مقابلے میں انفرادی تعبیر کو اس مذہب کے ماننے والے کبھی بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح کسی وضعی اور انسانی قانون کی کسی تعبیر پر جب تمام ماہرینِ قانون کا اتفاق ہو چکا ہو تو اس کے خلاف انفرادی تعبیر کی کوئی بھی معقول شخص تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ مولانا مودودیؒ

[1] مشکوٰۃ شریف [2] مشکوٰہ شریف

نے اجماعِ اُمت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

۱۔ "اگر اُمت متفق ہو کر کسی حکمِ منصوص کی تشریح کرے اور وہ تشریح کسی وقتی ضرورت اور مصلحت کو پیشِ نظر رکھ کر نہ کی گئی ہو بلکہ اُصولاً شارع کا منشا یا سنّت کا طریقہ بالاتفاق متعین کیا گیا ہو تو ایسا اجماع یقیناً حجت ہے اور ہمیشہ کے لیے حجت ہے"۔

۲۔ "اگر ایسا اجماع کسی وقتی مصلحت کو ملحوظ رکھ کر کیا گیا ہو تو ایسے اجماع کی پابندی اُس وقت تک اُمت پر لازم ہوگی جس وقت تک وہ مصلحت باقی ہے"۔

۳۔ "اگر کوئی اجماع کسی حکمِ شرعی کی تشریح کے متعلق نہ ہو بلکہ کسی تدبیرِ دنیوی کے متعلق اُمت نے متفق ہو کر طے کر لیا ہو کہ اس طرح عمل کیا جائے گا تو ایسا اجماع کبھی دائمی اور ابدی وجوب کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا"۔[1]

یعنی وقتی مصلحت و ضرورت یا کسی دنیوی تدبیر پر اجماع ابدی حجت نہیں ہے، بلکہ حالات بدلنے سے اُسے بدلا بھی جا سکتا ہے، لیکن قرآن و سنّت کی نص اور حکمِ شرعی کی جس تعبیر و تشریح پر اُمت کسی وقت متفق ہو چکی ہو اس کی پیروی لازم ہے اور ہمیشہ کے لیے لازم ہے۔

اجماع کے حجت اور ماخذِ قانون ہونے کے دلائل

۱۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ (النساء - ۱۱۵)[2]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ:

"رسول اللہ کے واضح حکم کی مخالفت کرنے والا بھی جہنم میں جائے گا اور اس کے حکم کی جس تعبیر پر اُمتِ مسلمہ متفق ہو چکی ہو اس کی مخالفت کرنے والا بھی جہنم میں جائے گا"۔

---

[1] رسائل و مسائل حصہ سوم ص ۱۹۷ - ۱۹۸

[2] الاحکام فی اُصول الاحکام از علامہ آمدی ص ۱۰۳ تا ۱۰۷

۲۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ آیت ۱۴۳)

اس آیت میں امت کے ہر فرد کو انفرادی طور پر عادل نہیں کہا گیا، بلکہ پوری امت کو بحیثیت امت عادل کہا گیا ہے، اس لیے اس کی شہادت (بیان، تعبیر اور تشریح) لوگوں پر حجت ہے[1]

۳۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

مفہوم یہ ہے کہ پوری امت بحیثیت مجموعی بہترین امت ہے۔ ہر فرد کو انفرادی طور پر بہترین نہیں کہا گیا۔ اس کا لازمی معنی یہی ہے کہ بہترین امت کا فیصلہ بھی بہترین ہوگا[1]۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِىْ اوقال امة محمد عَلٰى ضَلَالَةٍ[2]

"اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر کبھی بھی متفق نہیں کرتا"

اس حدیث رسول کا مفہوم (الفاظ مذکورہ نہیں) درج ذیل صحابہ رض سے متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے اور تواتر معنوی کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۔ حضرت عمر فاروق رض ۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رض ۳۔ حضرت ابوسعید خدری رض
۴۔ حضرت انس بن مالک رض ۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض ۶۔ حضرت ابوہریرہ رض
۷۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رض

ذکر صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک امت کے سلف اور خلف اس سے استدلال کرتے

---

[1] احکام القرآن طبع مصر ۱۳۳۷ھ از جصاص جلد ۱ ص ۱۰۱ تا ۱۰۴

[2] ترمذی ابواب الفتن۔ ابوداؤد کتاب الفتن۔ ابن ماجہ ابواب الفتن۔ مستدرک حاکم کتاب العلم، مجمع الزوائد باب الاجماع بحوالہ مسند احمد

[3] المستصفیٰ از امام غزالی اصل ثالث باب اول جلد ۱ ص ۱۷۴ تا ۱۸۰

آئے ہیں یعنی اسے "تلقی بالقبول" کی حیثیت حاصل ہے۔

۵۔ حضرت علی رضؓ کے ایک سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "جس معاملے کے بارے میں قرآن و سنت کا واضح حکم موجود نہ ہو تو اس کے بارے میں عبادت گذار اور دیانت دار ماہرین شریعت سے مشورہ کر لیا کرو اور انفرادی رائے اختیار نہ کرو"۔ [۱]

اِس کا مفہوم یہی ہے کہ اجتماعی فیصلے اور اجتماعی تعبیر کو دوسرا اجتماعی فیصلہ یا اجتماعی تعبیر تو ختم کر سکتی ہے لیکن انفرادی رائے کی اس کے مقابلے میں کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔

۶۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی یہ مستقل پالیسی تھی کہ فیصلہ طلب معاملے میں لوگوں کے نمائندوں اور ان میں سے بہترین لوگوں کو جمع کرتے اور جب ان کا کسی بات پر اتفاق رائے ہو جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔ [۲]

خلافتِ راشدہ کی اسی جمہوری اور شورائی پالیسی کا نتیجہ ہے کہ:

"خلافتِ راشدہ کے وقت کے اجماع اور جمہوری فیصلے معلوم اور معتبر روایات سے ثابت ہیں"۔ [۳]

حضرت عمرؓ نے قاضی شریحؒ کے نام اپنے مشہور خط میں لکھا تھا کہ:

"اگر قرآن و سنت سے حکم معلوم نہ ہو سکے تو وہی فیصلہ سنا دو جس پر صالحین کا اجماع ہو چکا ہو"۔ [۴]

یہ درست ہے کہ بقول مولانا مودودیؒ و ابن تیمیہؒ خلافتِ راشدہ کے بعد جب شوریٰ کا وہ طریقہ

---

[۱] مجمع الزوائد، کتاب العلم جلد ۱ ص ۱۷۸ و کنز العمال جلد ۵ ص ۸۱۲

[۲] سنن دارمی باب الفتیا جلد ۱ ص ۵۸

[۳] اسلامی ریاست از مولانا مودودیؒ

[۴] سنن نسائی باب القضاء باتفاق اہل العلم جلد ۱ ص ۳۰۵ طبع دہلی۔ دارمی طبع دمشق جلد ۱ ص ۶۰ ۔ جامع الاصول ص ۱۸۰ جلد ۱۰

ختم ہو گیا جو خلافتِ راشدہ کے دور میں رائج تھا تو یہ معلوم کرنا مشکل ہو گیا کہ کس چیز پر فی الواقع اجماع ہے اور کس پر نہیں۔ اور بہت سے مسائل میں اجماع کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا اور یہ بھی درست ہے کہ بعض لوگ اپنے فقہی مسلک کے اجماع پر بھی اجماعِ اُمت کا اطلاق کر لیتے ہیں لیکن اس کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ اجماع کبھی ہوا ہی نہ ہو، خلافتِ راشدہ کے دور کے اجماعی فیصلے تو معتبر روایات سے ثابت ہیں۔ باصلاحیت قاضی کے لیے دعوائے اجماع اور ثبوتِ اجماع کے درمیان فرق کرنا اور حقیقی اجماع کو معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اسی لیے تو قاضی کے لیے وسیع معلومات کا حاصل ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ اجماع کے خلاف فیصلے نہ دے اور اختلافی مسئلے کو اجماعی نہ سمجھ بیٹھے۔

اجماع کے بارے میں ماہرینِ شریعت کی رائے

۱۔ امام فخر الاسلام بزدوی حنفی متوفی ۴۸۲ھ فرماتے ہیں:

"اجماع سے حکم شرعی یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کی آیت اور حدیثِ متواتر سے ثابت ہوتا ہے۔ اجماع سے ثابت شدہ حکم شرعی پر اعتقاد رکھنا بھی واجب ہے اور اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے اور اس قسم کے قطعی اجماع سے ثابت شدہ حکمِ شرعی سے انکار کرنا کفر ہے۔ پھر یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اجماع کے مراتب ہیں۔ مثلاً صحابہ کا اجماع (جو تواتر سے بعد کی نسلوں تک پہنچا ہو) آیت اور حدیث متواتر کی طرح ہے (اس لیے کہ قرآن و سنّت سے اجماعِ صحابہ کا حجت ہونا ثابت ہے اور اس کی مخالفت کرنے والے کو جہنمی کہا گیا ہے)۔ اور صحابہ کے بعد کے لوگوں کا اجماع حدیثِ مشہور کی طرح ہے (جس کی قطعیت قرآن اور حدیثِ متواتر سے نسبتاً کم ہے) اگر سلف کا اجماع ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچا ہو تو اس کی حیثیت حدیث متواتر کی طرح ہوگی اور جب یہ چند افراد کے ذریعے ہم تک پہنچا ہو تو اس کی حیثیت خبر واحد کی طرح ہوگی ...... اور جو شخص اجماع سے (کلیتہً) انکار کرتا ہے وہ دراصل پورے دین کو باطل ٹھہراتا ہے اس لیے کہ دین کے اُصول کا مدار اور مرجع مسلمانوں کا اجماع ہی ہے"۔[۱]

---

[۱] اُصول بزدوی طبع کراچی ص ۲۴۵ تا ۲۴۷

۲۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ نے اپنے کسی اجتماعی فیصلے کو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہو تو وہ خود رسول اللہؐ کا فیصلہ سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر انہوں نے صریح الفاظ میں اپنے اجماعی فیصلے کو رسول اللہؐ سے نقل نہ بھی کیا ہو پھر بھی ہم صحابہ کرامؓ کے اجماع کے پابند ہیں۔ اس لیے کہ صحابہؓ کی پوری جماعت سنتِ رسولؐ کے خلاف کسی فیصلے پر مجتمع نہیں ہو سکتی۔ (اگرچہ انفرادی طور پر بعض صحابہؓ حدیث سے لاعلمی کی بنا پر اس کے خلاف رائے قائم کر سکتے ہیں جو حجت نہیں ہوگی) ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے جماعت (یعنی اجماعی فیصلے) کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جابیہ کے مقام پر اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے جس شخص کو جنت میں جانا پسند ہو تو اُسے چاہیے کہ جماعت (یعنی اجماعی فیصلوں) کی پابندی کرے اس لیے کہ جماعت سے الگ ہونے والے کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ جماعت کے ساتھ رہنے کے معنی یہ ہیں کہ تحلیل و تحریم کے بارے میں اس کے اجماعی فیصلوں کی اطاعت کی جائے۔ انفرادی رائے قائم کرنے میں غفلت اور غلطی کا امکان تو ہے لیکن مسلمانوں کی پوری جماعت (اُمت) قرآن و سنت اور قیاس کو سمجھنے میں ان شاء اللہ غلطی نہیں کر سکتی"۔[1]

۳۔ قاضی شوکانیؒ متوفی ۱۲۵۵ھ فرماتے ہیں:

"اجماع سے مراد ہے رسول اللہؐ کے وصال کے بعد اُمتِ مسلمہ کے مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی بات پر اتفاق! اور صحابہؓ کا اجماع بلا اختلاف شرعی حجت ہے۔ امام داؤد ظاہریؒ صرف اجماع صحابہ کو حجت مانتے ہیں۔ ابنِ حبان کے کلام سے بھی بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے"۔[2]

امام داؤد ظاہری کی دلیل وہی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد چونکہ

---

[1] الرسالہ از امام شافعیؒ باب الاجماع ص ۲۰۴ - ۲۰۵۔

[2] ارشاد الفحول طبع مصر ۱۹۳۷ء ص ۸۱ - ۸۲ بحث الاجماع۔

شورائی نظام درہم برہم ہو گیا تھا اس لیے بعد کے دور کے اجماع کا معلوم کرنا مشکل ہے۔ ورنہ اگر حقیقی معنوں میں اُمت کے مجتہدین کا اجماع ہو چکا ہو یا آج کے دور میں پورے عالم اسلام کے ماہرین شریعت کا کسی حکم شرعی پر اجماع صحیح معنوں میں ہو جائے تو اس کے حجت ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری اُمت کو غلطی پر متفق ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔

مُسَلّمہ فقہائے اسلام کی تشریحات و آراء

چوتھا ماخذِ ہدایت اسلامی فقہ ہے، یعنی اُمتِ مسلمہ جن فقہائے اسلام اور ماہرینِ شریعت پر اعتماد رکھتی ہے اور جن کی فقاہت و اجتہاد کو تسلیم کرتی ہے، ان کی تشریح و تعبیر سے راہنمائی حاصل کی جائے۔ آج بھی عدالتیں فیصلہ کرتے وقت دوسری عدالتوں کے فیصلوں کو اور قانون کے ماہرین کی آراء کو پیش نظر رکھتی ہیں۔ اور ان سے استفادہ کرتی ہیں۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے جو شریعت بل میں کہی گئی ہے۔ بلکہ یہ تو دنیا کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ قومیں اپنے اسلاف اور دینی تاریخ کو، فیصلے کرتے وقت ہمیشہ مدنظر رکھتی ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے درست فرمایا ہے کہ:

> "جن بزرگانِ دین نے برسوں کی محنت اور غور و تحقیق کے بعد فقہ کو مرتب کیا ہے ان کے بارِ احسان سے دنیا کے مسلمان کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ یہ انہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ آج کروڑوں مسلمان بغیر کسی زحمت کے شریعت کی پیروی کر رہے ہیں اور کسی کو خدا اور رسول کے احکام معلوم کرنے میں دقت پیش نہیں آتی۔"[1]

فقہ دینِ اسلام کی گہری سمجھ بوجھ کا نام ہے۔ فقہائے اسلام آزادانہ قانون سازی کرنے والے نہیں ہوتے، بلکہ ان سے مراد وہ بزرگانِ دین ہیں، جو قرآن و سنت میں مہارتِ تامہ رکھتے ہوں، ان کی مرتب کردہ فقہ قرآن و سنت کی متوازی نہیں ہے، بلکہ قرآن و سنت ہی کے احکام و قوانین اور قواعد و ضوابط کو عام لوگوں کی آسانی کے لیے اور قاضیوں و مفتیوں کے استفادے کے لیے مرتب و مدون کر دیا گیا ہے، جن کو فقہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فقہائے اسلام نے جتنے قوانین و ضوابط بھی مرتب کیے ہیں ساتھ ساتھ قرآن و سنت، سنتِ خلفائے راشدینؓ اور تعاملِ صحابہؓ یا اجماعِ اُمت سے ان کے دلائل بھی دے دیے ہیں۔ لہٰذا فقہ سے رہنمائی حاصل کرنا دراصل ان دلائل

---

[1] دینیات از مولانا مودودیؒ ص ۱۴۴۔

سے استفادہ کرنا ہے جو فقہائے اسلام نے دیے ہیں اور فقہ کی روشنی میں فیصلے اور فتوے دینا حقیقت میں ان شرعی دلائل پر فیصلے اور فتوے دینا ہے جو فقہائے اسلام نے دیے ہیں۔ فقہائے اسلام نے خود کہا ہے کہ قرآن و سنت سے دلیل معلوم کیے بغیر کسی کی بات نہ مانی جائے۔

۱ ـــــ امام ابو حنیفہؒ متوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں:

"دلیل معلوم کیے بغیر میرے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے اور کسی کے لیے دین میں کوئی بات کہنی مناسب نہیں ہے۔ جب تک کہ یہ معلوم نہ کرلے کہ رسول اللہؐ کی شریعت (قرآن و سنت) اس بات کو قبول کرتی ہے"[1]

کان الامام الاعظم یقول ایاکم وآراء الرجال

"امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ (دلیل کے بغیر) افراد کی ذاتی رائے پر عمل کرنے سے اجتناب کرو"[2]

۲ ـــــ امام مالکؒ متوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں:

"قانون تو صرف دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو قرآن سے ثابت ہو اور دوسرا وہ جو سنت سے ثابت ہو"[3]

۳ ـــــ امام شافعیؒ متوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں:

لا یلزم قول بکل حال الا بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ

"کسی کی بات کسی حال میں بھی لازم نہیں ہے، مگر قرآن و سنت کی دلیل کی وجہ سے"[4]

۴ ـــــ امام احمدؒ بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ فرماتے ہیں:

"نہ میری بات (دلیل کے بغیر) مانو، نہ شافعیؒ کی اور نہ اوزاعیؒ کی اور نہ ثوریؒ

---

[1] میزان کبریٰ از شعرانی جلد ۱ ص ۵۸ [2] ایضاً

[3] جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۲۵ ۔

[4] کتاب الام از شافعیؒ جلد ۷ ص ۲۷۳ ۔

کی، بلکہ اسی مأخذ (قرآن و سنت) سے احکام اخذ کرو، جہاں سے بزرگوں نے اخذ کیے تھے"۔[1]

۵:- امام ابن حزم ظاہریؒ متوفی ۴۵۶ھ فرماتے ہیں:-

"دین اسلام کے احکام جن کا اتباع سب پر لازم ہے اخذ نہیں کیے جا سکتے، مگر قرآن حکیم اور حدیث صحیح سے"۔[2]

یہ مسلمانوں کے وہ پانچ مسلّمہ مکاتبِ فکر (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور اہل ظاہر یعنی اہل حدیث) ہیں جن کے ائمہ کے اقوال نقل کیے گئے ہیں، ان کے علاوہ بھی سلف و خلف کے سینکڑوں فقہاء و محدثین ہیں اور ان سب نے یہی کہا ہے کہ قرآن و سنت سے دلیل معلوم کیے بغیر کسی کی بات نہ مانی جائے۔

ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ چاروں نے یہ بھی کہا ہے کہ:

اذا صح الحدیث فھو مذھبی[3]

"صحیح حدیث پر عمل کرنا میرا مذہب ہے"۔

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ فقہ کوئی مستقل اور خود مختار ماخذِ قانون نہیں ہے، بلکہ قرآن و سنت سے اخذ کردہ قوانین کی مرتب کردہ شکل ہے، جس سے رہنمائی حاصل کرنے اور استفادہ کرنے کا ذکر شریعت بل میں کیا گیا ہے، جو ضروری بھی ہے، مفید بھی ہے اور معقول بھی ہے۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں جتنی بھی علمی و فقہی تحقیقات کی گئی ہیں وہ ہمارے اسلاف یعنی ماضی کے ماہرینِ شریعت کی میراث ہیں جو ہم کو ملی ہے۔ اس میراث سے استفادہ نہ کرنا، ظاہر ہے کہ کوئی معقول طرزِ فکر نہیں ہے۔ بنی بنائی عمارت میں بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ترمیم و اصلاح اور اضافہ تو کیا جا سکتا ہے لیکن اُسے یکسر منہدم کر کے یا بالکل نظر انداز کر کے بغیر کسی ضرورت کے نئی اور متوازی عمارت بنانا ذہنی بیماری کی عکاسی تو ہو سکتی ہے کوئی معقول اور مناسب

[1] اعلام الموقعین از ابن قیمؒ جلد ۲ ص ۳۰۲

[2] المحلی از ابن حزمؒ جلد ۱ ص ۵۰

[3] مجموعہ شامی جلد ۱ ص ۶۳

طرزِ فکر نہیں ہو سکتی۔

اجتہاد و قیاس اجتہاد کی قانونی تعریف یہ ہے کہ:

"اجتہاد کسی مجتہد اور فقیہہ (ماہر شریعت) کی اُس علمی تحقیق و کاوش کا نام ہے جو غیر منصوص یعنی نئے مسائل کے شرعی احکام معلوم کرنے کے لیے کی جائے۔"[1]

اور قیاس کے معنی ہیں:

"نظائر اور آپس میں ملتے جلتے مسائل میں علّتِ حکم کے اشتراک کی وجہ سے ایک ہی طرح کا حکم جاری کرنا۔"[2]

چونکہ نئے مسائل و واقعات و حوادث پیش آتے رہتے ہیں جن کے سلسلے کو بند کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ اور قرآن و سنّت کی نصوص محدود ہیں۔ اس لیے فقہائے اسلام نے فقہ میں اجتہاد و قیاس کے ذریعے غیر منصوص مسائل کے شرعی احکام بھی قرآن و سنّت سے مُستنبط کر کے لکھ دیے ہیں۔ عدالتوں کو ان اجتہادی اور قیاسی احکام سے بھی رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اجتہاد کا دروازہ کسی نے بھی بند نہیں کیا۔ اور نہ اسے بند کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ اجتہاد علمی تحقیق کا دوسرا نام ہے، جسے بند نہیں کیا جا سکتا۔ دَورِ جدید کے ماہرینِ شریعت اور قاضیوں کو حق حاصل ہے بلکہ یہ ان کا دینی فریضہ ہے کہ دَورِ جدید کے جدید مسائل میں اجتہاد کریں۔ اور اس کے لیے اجتماعی اجتہاد کے ادارے بنائیں۔ لیکن ۱۴ سو سالہ تاریخِ اسلام کے مجتہدین کے اجتہاد و قیاس سے یکسر آنکھیں بند کر کے اور پہلے سے طے شدہ مسائل کو یکسر نظر انداز کر کے اور اجتہاد و قیاس کے مسلّمہ اُصول و قواعد کو پسِ پشت ڈال کر آزادانہ اجتہاد آرائی اور مخالف آرائی کرنے سے لازمی طور پر فکری انتشار اور انارکی پیدا ہو گی اور دین کے قطعی احکام میں بھی تحریف و ترمیم کا راستہ کھل جائے گا۔ اسی وجہ سے شریعت بل میں مسلّمہ فقہا اسلام کی تشریحات و آراء سے استفادہ اور رہنمائی حاصل کرنے کی

---

[1] توضیح و تلویح مصری جلد ۲ ص ۶۳۹ – الاحکام از آمدی جلد ۴ ص ۱۶۲

[2] المستصفیٰ از غزالیؒ جلد ۲ ص ۵۴

شق رکھی گئی ہے۔

اجتہاد و قیاس کے حجت ہونے کے دلائل

۱۔ قرآن کریم کی بیسیوں آیات میں غور و فکر، تعقل و تدبر اور تفقہ کی ترغیب دلائی گئی ہے، بلکہ حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اجتہاد بھی اسی غور و فکر اور علمی تحقیق کا نام ہے۔

۲۔ بخاری و مسلم کتاب العلم میں رسول اللہ کا ارشاد نقل ہوا ہے کہ جب قاضی اجتہاد کے ذریعے حق معلوم کر لیتا ہے تو اسے دوگنا اجر ملتا ہے اور جب غلطی کر لیتا ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

۳۔ ابو داؤد کتاب الاقضیہ اور ترمذی کتاب الاحکام میں ہے کہ خود رسول اللہ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو قرآن و سنت میں صریح حکم نہ ملنے کی صورت میں اجتہادی فیصلہ کرنے کی اجازت دی تھی۔

۴۔ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام اپنے مشہور خط میں لکھا تھا۔

اَلْفَهْمَ اَلْفَهْمَ فِيمَا يَخْتَلِجُ فِي صَدْرِكَ مِمَّا لَمْ يَبْلُغْكَ فِي الْكِتَابِ اَوِ السُّنَّةِ اِعْرِفِ الْاَمْثَالَ وَالْاَشْبَاهَ ثُمَّ قِسِ الْاُمُوْرَ عِنْدَ ذٰلِكَ فَاعْمَدْ اِلٰى اَحَبِّهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَاَشْبَهِهَا بِالْحَقِّ فِيمَا تَرٰى[1]

"اس معاملے میں پورے غور و فکر سے کام لو جس کا حل قرآن و سنت میں تم کو نہ ملے اور وہ تمہارے دل میں کھٹکتا ہو۔ امثال و نظائر کو معلوم کرو اور معاملات و مسائل کو ان پر قیاس کرو، جب قرآن و سنت کا صریح حکم نہ مل سکے اور وہ فیصلہ کرو جو تمہاری رائے میں خدا کو زیادہ پسند ہو اور حق کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو۔"

امام جصاص حنفی فرماتے ہیں:

"سنتِ رسول، اجماع، قیاس اور اجتہاد سے جو احکام ثابت ہوتے ہوں،

---

[1] سنن دار قطنی فی الاقضیہ والاحکام۔

وہ دراصل قرآن ہی کا بیان ہے، اس لیے کہ قرآنِ کریم ان کے حجت ہونے پر دلالت کرتا ہے[1]

امام جصاص نے قیاس اور اجتہاد کے حجت شرعیہ ہونے پر ۲۲ آیاتِ قرآنیہ، ۳۹ احادیثِ نبویہ اور اجماعِ صحابہ کو بطور نقلی دلیل پیش کیا ہے۔ اور پھر اجتہاد کے ضروری ہونے پر عقلی دلائل قائم کیے ہیں[2]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"بعض احکام کو معلوم کرنے کے لیے مجتہدین پر اجتہاد فرض کر دیا گیا ہے"[3]

مذکورہ دلائل سے معلوم اور ثابت ہو گیا ہے کہ مسلّمہ فقہائے اسلام کی تشریحات و آراء سے رہنمائی حاصل کرنے کی جو شق شریعت بِل میں رکھی گئی ہے اس کا مأخذ بھی خود قرآن و سنّت میں موجود ہے۔

شریعت بِل کی دفعہ ۲ اور اس کی ذیلی شقیں امام ابو حنیفہؒ کے اُصول کے عین مطابق ہیں

بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ شریعت بِل فقہ حنفی کے خلاف ہے۔ حالانکہ پاکستان میں غالب ترین اکثریت فقہ حنفی پر عمل کرتی ہے۔ ان حضرات نے اگر بِل کی دفعہ ۲ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہوتا تو ایسا اعتراض کبھی نہ کرتے۔ مذکورہ دفعہ اور اس کی ذیلی شقیں دراصل فقہ حنفی کے اُصول ہی کی روشنی میں مرتب کی گئی ہیں۔ حنفی اُصولِ فقہ کی بنیادی کتاب ہے "الاصول للبزدویؒ" اس میں دیباچے کے بعد ابتداء ہی میں لکھا ہے کہ:

اعلم ان اصل الشرع ثلاثۃ الکتاب والسنۃ والاجماع والاصل الرابع القیاس بالمعنی المستنبط من

---

[1] احکام القرآن از جصاص جلد ۳ ص ۱۸۹-۱۹۰۔

[2] الفصول فی الاصول طبع مکتبہ علمیہ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۶۴ تا ۱۰۹۔

[3] الرسالۃ از شافعیؒ ص ۱۵۔

ھٰذہ الاصول -

" جان لو! کہ احکام شرعیہ کے دلائل تین ہیں - قرآن و سنت اور اجماع اور چوتھی دلیل وہ قیاس ہے جو مذکورہ تین اصول سے معلوم کردہ علت کی بنیاد پر کیا گیا ہو "

قرآن، سنتِ رسول، اجماع اور فقہاء کی آراء (قیاس و اجتہاد) کا ذکر بل میں بھی ہے اور حنفی اصولِ فقہ کی مذکورہ عبارت میں بھی ہے، بلکہ اجماع و قیاس کے بارے میں کچھ ذیلی تفصیلات کے ساتھ مذکورہ چاروں اصول و مآخذ کو فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی میں بھی تسلیم کیا گیا ہے، باقی رہی سنتِ خلفائے راشدین اور تعامل اہلِ بیت عظامؓ و صحابہ کرامؓ، تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول ہے:

فان لم اجد فی کتاب اللہ ولا سنۃ رسول اللہ اخذت بقول اصحابہ -

" اگر مجھے قرآن و سنت دونوں میں کوئی حکم نہیں ملتا تو پھر میں رسول اللہ کے صحابہؓ کا قول لیتا ہوں "[1]

اصولِ بزدوی ۴۸۲ھ اور اصولِ سرخسی ۴۹۰ھ دونوں میں لکھا ہے کہ مشائخ حنفیہؒ کا مسلک یہ ہے کہ صحابی کی رائے کے مقابلے میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔[2]

کشف الاسرار شرح اصولِ بزدوی میں ہے کہ امام مالک، امام احمد سے مشہور روایت اور امام شافعیؒ کا قولِ قدیم بھی یہی ہے "[3]

---

[1] تاریخِ بغداد جلد ۱۳ - ص ۳۶۸

[2] اصولِ بزدوی باب متابعۃ اصحاب النبیؐ و اصولِ سرخسی جلد ۲ فصل فی تقلید الصحابیؓ

[3] کشف الاسرار جلد ۳ ص ۲۱۷

اجتہادی اور اختلافی امور میں قاضی جس مسلک پر بھی فیصلہ سنا دے وہ نافذ العمل ہوگا

حکمران طبقے کی جانب سے یہ بات بڑے زور و شور سے پھیلائی جا رہی ہے کہ شریعت بل کی منظوری اور نفاذ سے اختلاف بڑھ جائیں گے۔ فقہائے اسلام کے درمیان چونکہ بہت سے مسائل میں اتفاق رائے موجود نہیں ہے اس لیے عدالتوں کے فیصلے بھی ایک طرح کے نہیں ہوسکیں گے، بلکہ مختلف عدالتیں مختلف فیصلے سنائیں گی۔ اور قوم میں انتشار پیدا ہوجائے گا۔ یک رنگی اور یک جہتی ختم ہوجائے گی۔ اس لیے جب تک بل کو سب کے لیے قابل قبول نہیں بنایا جاتا۔ اور سب کا اتفاق رائے نہیں ہوجاتا، اس وقت تک اسے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

مشہور ضرب المثل ہے کہ خوئے بد را بہانہ بسیار۔ ظاہر ہے کہ جب کسی بات کو ماننے کا ارادہ ہی نہ ہو اور عادتیں بگڑ جائیں تو بہانے بہت سے تراشے جاتے ہیں۔ مذکورہ اعتراض بھی ایک بہانہ ہے جو تراشا گیا ہے۔ اس اعتراض کو پھیلانے والے دراصل دانستہ یا نادانستہ عوام کو شریعت سے متنفر کر رہے ہیں کہ اگر واقعی شریعت کے نفاذ سے انتشار اور فرقہ واریت پیدا ہوتی ہے تو نعوذ باللہ پھر ہم ایسی شریعت سے انکار ہی کیوں نہ کر دیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ بہانہ نہیں ہے، بلکہ نعوذ باللہ حقیقت ہے تو پاکستان بناتے وقت اسلام کا نام کیوں لیا گیا تھا؟ قرارداد مقاصد کیوں منظور کی گئی تھی؟ ۷۳ء کے دستور میں اسلامی دفعات کو شامل کیوں کیا گیا تھا۔ اسلام کے نام پر صدر ضیاء الحق نے ریفرنڈم کیوں کرایا تھا۔ اور ۱۹۸۵ء کے انتخابات اسلام کے نام پر کیوں کرائے گئے تھے؟

اس بہانے کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم، سنت رسولؐ، اجماع امت، سنت خلفاء راشدین اور رتعامل اہل بیت عظام و صحابہ کرام سے جو حکم شرعی ثابت ہو اس کے بارے میں تو امت مسلمہ کے درمیان اختلاف رائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ان پانچ مآخذ سے ثابت شدہ جس حکم پر قاضی نے فیصلہ دیا ہو اس کے ماننے سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے مسلمہ مآخذ ہیں۔ البتہ اگر کسی کو اعتراض ہو کہ فیصلہ مذکورہ مآخذ کے خلاف دیا گیا ہے تو وہ عدالت بالا میں اپیل کرسکتا ہے۔

یہ درست ہے کہ جس فیصلے کی بنیاد فقہائے اسلام کا قیاس و اجتہاد یا قاضی کا اپنا قیاس و اجتہاد ہو تو اس صورت میں قاضیوں کے فیصلوں میں اختلاف اور تنوّع ہو سکتا ہے، اس لیے کہ قیاسی اور اجتہادی مسائل میں اُمت کے مجتہدین میں اختلاف رائے موجود ہے۔ لیکن اس نوع کا اختلاف تو آج بھی مختلف عدالتوں کے ججوں کے درمیان ہوتا رہتا ہے۔ مگر جب عدالت اکثریت سے فیصلہ کر لیتی ہے تو وہ سب کے لیے واجب الاطاعت ہو جاتا ہے۔ شریعت کا بھی یہی اُصول ہے کہ قاضی جس مسلک پر بھی فیصلہ سُنا دے وہ نافذ العمل ہو جاتا ہے۔ دوسرا قاضی اسے اس بنا پر کالعدم نہیں کر سکتا کہ یہ فیصلہ میرے فقہی مسلک کے خلاف ہے۔ اور فریقین میں سے بھی کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ یہ فیصلہ میرے فقہی مسلک کے خلاف ہے اس لیے میں اسے تسلیم نہیں کرتا البتہ دوسرے کیس میں قاضی دوسرے مسلک پر فیصلہ دے سکتا ہے۔

شیخ الاسلام مرغینانی صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"جب کسی قاضی کے سامنے دوسرے قاضی کا فیصلہ نفاذ کے لیے پیش کیا جائے تو وہ اُسے نافذ کرے گا۔ الّا یہ کہ وہ قرآن وسنّت اور اجماع کے خلاف ہو......

امام محمدؒ نے جامع صغیر میں لکھا ہے کہ جس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہو اور قاضی نے کسی ایک مسلک پر فیصلہ دے دیا ہو تو دوسرا قاضی اس کو نافذ کرے گا۔ اگرچہ اس کے مسلک کے خلاف ہو۔ قاعدہ یہ ہے کہ اجتہادی اور اختلافی مسئلے کو جب قاضی کا فیصلہ مل جائے تو وہ نافذ العمل ہو جاتا ہے۔ دوسرا قاضی اس کو کالعدم نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرا قاضی بھی ظاہر ہے کہ اجتہاد ہی کرے گا۔ اور پہلے نے بھی اجتہاد ہی کیا تھا جس کے ساتھ قاضی کی قضا بھی متعلق ہو چکی ہے، اس لیے اس کو ترجیح دینی چاہیے۔"[1]

شمس الائمہ سرخسیؒ حنفی متوفی ۴۹۰ھ فرماتے ہیں:

---

[1] ہدایہ مع فتح القدیر ادب القاضی جلد ۷ ص ۳۰۰، ۳۰۴ - البدائع جلد ۷ ص ۱۴ قاضی خان بحاشیہ عالمگیری جلد ۲ ص ۴۵۳۔

إِنَّ الْاِجْتِهَادَ لَا يَنْقُضُ بِاجْتِهَادٍ مِثْلِهٖ [1]

"ایک اجتہاد کو دوسرے اجتہاد سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔"

شریعت کی دیگر قوانین پر بالادستی (دفعہ ۳)

اس دفعہ کا حاصل یہ ہے کہ شریعت کسی دیگر قانون، رسم و رواج اور کسی بھی مخالف امر کے باوجود پاکستان میں بالاتر قانون کی حیثیت سے مؤثر ہو گی۔

شریعت کو بالاتر قانون کی حیثیت سے تسلیم کرنا اور روبعمل لانا ہمارے عقیدۂ توحید کا لازمی تقاضی ہے۔ جب ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کو اِلٰہ نہیں مانتے تو کسی مخالفِ شریعت قانون کو بھی نہیں مان سکتے۔ یہ دفعہ قراردادِ مقاصد کو عملی شکل دینے کے لیے بھی ضروری ہے۔ قراردادِ مقاصد میں مسلمانوں کے اس بنیادی عقیدے کا ذکر ہوا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اللہ کو حاکم اور مقتدرِ اعلیٰ ماننے کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ اس کی شریعت کو بالاتر قانون کی حیثیت سے مؤثر بنایا جائے۔ اس وقت پاکستان میں بالاتر حیثیت ان قوانین کو حاصل ہے جو لارڈ میکالے کی سربراہی میں مقرر کردہ لاکمیشن نے ۱۸۶۰ء اور ۱۸۹۰ء میں مرتب کیے تھے۔ اور انگریزوں نے پہلے سے نافذ العمل شریعت کو منسوخ کر کے ان کو برصغیر میں نافذ کیا تھا۔ تعزیراتِ پاکستان کی ابتداء میں آج بھی شریعت کی منسوخی کا ذکر موجود ہے۔

یہ صورتِ حال سراسر اللہ و رسول سے بغاوت ہے۔ بل کی دفعہ ۳ کے ذریعے اسی باغیانہ طرزِ عمل کو ختم کرایا جا رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ ملک میں حدود آرڈی ننس بھی نافذ ہے اور کچھ دوسرے اسلامی قوانین بھی نافذ ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ:

"اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔"

(البقرہ - ۲۰۸)

اور رسول اللہ ﷺ کو تو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ:

"وہ اسلامی نظامِ حیات کو دوسرے تمام نظاموں پر غالب کر دے۔"

[1] المبسوط جلد ۱۶ ص ۸۴

ظاہر ہے کہ انگریزی قوانین کے ساتھ اسلام کے کچھ قوانین کو غیر مؤثر حیثیت میں نافذ کرنا نہ اسلام میں پوری طرح داخل ہونا ہے اور نہ یہ صورتِ حال اسلام کو غالب حیثیت دینے کی ہے، بلکہ یہ تو وہ دو رنگی اور تقسیم ہے جو یہودیوں کی خصلت رہی ہے جو اُن کی ذلّت اور تباہی کا سبب تھی جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

"کیا تم اپنی کتاب کے کچھ حصّوں کو مانتے ہو اور کچھ حصّوں کو نہیں مانتے، جو بھی ایسا کریں گے ان کی سزا یہی ہے کہ وہ دُنیا میں ذلیل و رسوا ہوں گے اور قیامت کے روز سخت عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔" (البقرہ - ۸۵)

سورۃ الحجر میں یہودیوں کے بارے میں آیا ہے کہ:

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ - (الحجر - ۹۰-۹۱)

"جیسا کہ ہم نے تنبیہ نازل کی تھی ان بانٹنے والوں پر جنہوں نے اپنے قرآن (توراۃ) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔"

بانٹنے اور تقسیم کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اللہ کے کچھ احکام کو مانتے تھے جو ان کی پسند کے مطابق ہوتے اور کچھ احکام کو نہیں مانتے تھے جو ان کی مرضی اور طبیعت کے مخالف تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بالاتر حیثیت اپنی منشا اور پسند کو دیتے تھے اور اللہ کی کتاب کو ایک تابع کی حیثیت دیتے تھے حالانکہ ایمان والوں کی یہ شان نہیں ہو سکتی۔

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی بھی اللہ اور رسول (قرآن اور سنّت) کی نافرمانی کرے تو وہ کھُلی گمراہی میں پڑ گیا۔"

(الاحزاب - ۳۶)

بخاری شریف میں چاروں خلفاء کا طرزِ عمل اس طرح نقل ہوا ہے کہ:

فَاِذَا وَضَحَ الْكِتَابُ اَوِ السُّنَّةُ لَمْ يَتَعَدَّوْهُ اِلٰى

غیرہ [1]

"جب اُن کے سامنے قرآن و سنّت کا حکم واضح ہو جاتا تو وہ کسی دوسرے حکم کی طرف تجاوز نہیں کرتے تھے"

چنگیز خان متوفی ۶۲۴ھ کا مرتب کردہ مجموعۂ قوانین

امام ابن کثیرؒ ۷۷۴ھ نے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵۰ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"تاتاری ملکی سیاسیات میں اپنے بادشاہ (چنگیز خاں) کے وضع کردہ اُس مجموعۂ قوانین پر عمل کرتے تھے جو یہودیت، نصرانیت اور اسلامی شریعت تینوں کے احکام کا مجموعہ تھا۔ اس میں بہت سے قوانین ایسے بھی تھے جو بادشاہ کی اپنی رائے اور خواہش پر مبنی تھے۔ یہ مجموعۂ قوانین اس کی اولاد میں لازم الاتباع شریعت بن گیا تھا جسے وہ قرآن و سنّت پر مقدم سمجھتے تھے۔ جو شخص بھی ایسا طرزِ عمل اختیار کرے وہ کافر ہے اور اس کے خلاف جنگ فرض ہے جب تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے قانون کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور ہر چھوٹے بڑے معاملے کا فیصلہ قرآن و سنّت کے مطابق کرنے کے لیے تیار نہ ہو جائے۔" [2]

آج ہمارے پاکستانی حکمرانوں کا طرزِ عمل بھی چنگیز خاں کے درج بالا طرزِ عمل کے مطابق ہے کہ بالاتر حیثیت تو انگریزی قوانین کو دے رہے ہیں اور اُن کے ساتھ کچھ اسلامی قوانین کو بھی غیر مؤثر حیثیت سے نافذ کر دیا ہے۔

عدالتیں شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کریں گی (دفعہ ۴)

اس دفعہ کا حاصل یہ ہے کہ تمام عدالتیں تمام اُمور و مقدمات بشمول مالی اُمور وغیرہ شریعت

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام باب قول اللہ تعالیٰ وامرہم شوریٰ بینہم۔

[2] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۵۹۰

کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں گی اور شریعت کے خلاف دیئے گئے فیصلوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔

یہی وہ دفعہ ہے جسے حکمران ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور متحدہ شریعت محاذ اسے ترک کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اس لیے کہ یہی دفعہ بل کی جان ہے۔ اگر یہ نکال دی گئی یا غیر مؤثر بنا دی گئی تو شریعت بل ایک بے جان ڈھانچہ اور غیر مؤثر دستاویز بن جائے گا۔ نفاذ شریعت کے معنی یہی ہیں کہ تمام عدالتیں اور تمام ادارے قرآن وسنت کے عین مطابق فیصلے کرنے اور اقدامات کرنے کے پابند ہوں اور اسلامی حکومت تو وہی ہو سکتی ہے جس کی تمام عدالتیں شریعت کے مطابق کام کرنے کے پابند ہوں۔ اس دفعہ ۴ کے نفاذ کے بغیر نہ شریعت کی بالادستی قائم ہو سکتی ہے اور نہ پاکستان کی حکومت اسلامی حکومت کہلا سکتی ہے۔

شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والی عدالتوں کے بارے میں قرآن وسنّت کے احکام

۱۔ شریعت کے خلاف فیصلہ دینا جاہلیت ہے۔ (المائدہ ۔ ۵۰)

۲۔ شریعت کے خلاف فیصلہ دینا کافرانہ، ظالمانہ اور فاسقانہ (باغیانہ) طرز عمل ہے۔ (المائدہ ۔ ۴۴ ۔ ۴۵ ۔ ۴۷)

۳۔ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا فرض ہے اور اس کے خلاف فیصلہ کرنا خواہش نفس کی پیروی ہے۔ (المائدہ ۔ ۴۸)

۴۔ شریعت کے خلاف فیصلے دینا طاغوتی طرز عمل ہے۔ (النساء ۔ ۶۰)

قرآن مجید میں ۸ آیات ایسی آئی ہیں جن میں طاغوتی نظام کی مذمت کی گئی ہے اور اس سے بغاوت (انکار) کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ آیات یہ ہیں:

البقرہ ۔ ۲۵۷	البقرہ ۔ ۲۵۶
النساء ۔ ۵۱	النساء ۔ ۶۰
النساء ۔ ۷۶	المائدہ ۔ ۶۰
النحل ۳۶	الزمر ۔ ۱۷

طاغوت کا مفہوم حضرت مجاہدؒ ابن عباسؓ کے شاگرد تھے اور تابعین میں سے بہت بڑے مفسر قرآن تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"ہر وہ جج اور حکمران طاغوت ہے جو غیر شرعی قوانین پر فیصلے کرتا ہے اور غیر شرعی احکام جاری کرتا ہے۔"[۱]

امام ابن قیمؒ متوفی ۷۵۱ھ فرماتے ہیں کہ:

"کسی قوم کا طاغوت وہ ہے جس کے پاس لوگ اللہ اور رسولؐ کے قانون (شریعت) کے خلاف اپنے معاملات و مقدمات فیصلہ کرانے کے لیے لے جاتے ہیں۔"[۲]

معلوم ہوا کہ ہر وہ حکمران بھی طاغوت ہے جو عوام پر خدا کی حاکمیت کی جگہ اپنی حاکمیت مسلط کرتا ہو اور اللہ و رسول کی شریعت کی جگہ اپنا بنایا ہوا قانون نافذ کرتا ہو، خواہ وہ لوگوں سے منتخب ہو کر آیا ہو، سازش کے ذریعے آیا ہو، موروثی بادشاہ ہو، مذہبی پیشوا ہو یا فوجی ڈکٹیٹر ہو اور وہ جج بھی طاغوت ہے جو غیر شرعی قوانین پر فیصلے کرتا ہو۔ طاغوتی نظام شریعت سے بغاوت پر مبنی ہوتا ہے۔ اور اسلامی نظام شریعت کی اطاعت اور برتری پر مبنی ہوتا ہے۔ طاغوتی نظامِ حکومت اور طاغوتی نظامِ عدالت کی اطاعت اور وفاداری مسلمانوں کے لیے جائز ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے بغاوت کرنا اور اس کی جگہ اسلامی نظامِ حکومت اور شرعی نظامِ عدالت قائم کرنا فرض ہے۔

۵ — شرعی احکام کے خلاف قوانین بنانا اور غیر شرعی قوانین پر فیصلے کرنا شرک ہے۔ (الشوریٰ — ۲۱)

۶ — جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کا مقابلہ کرتے ہیں، وہ ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہیں۔ (المجادلہ — ۲۰)

---

[۱] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۳۱۶

[۲] اعلام الموقعین ہندی جلد ۱ ص ۱۷-۱۸

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ اور رسولؐ کے مقابلے سے مراد یہ ہے کہ غیر شرعی فیصلے کیے جائیں۔

علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ "اس آیت میں ان حکمرانوں کے لیے سخت وعید ہے جنہوں نے اپنے احکام بنا لیے ہیں۔ اور ان کا نام سیاست اور قانون رکھ لیا ہے۔"

۷۔ مومن وہی ہو سکتا ہے جو اللہ اور رسولؐ کی شریعت پر فیصلے کرنے اور کرانے کے لیے دل سے آمادہ ہو۔ اور شریعت کے فیصلوں کو دل سے تسلیم کرتا ہو۔

(النساء ۔ ۶۵ ۔ النور ۔ ۵۱)

۸۔ جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود اللہ اور رسولؐ کی شریعت پر فیصلہ کرنے اور کرانے پر آمادہ نہ ہوں، وہ منافق ہیں۔ (النور ۔ ۴۸)

۹۔ رسولؐ اللہ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا تھا کہ حکمرانوں کی اطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ تمہاری قیادت اللہ کی کتاب کے مطابق کرتے ہوں[1]۔

۱۰۔ رسولؐ اللہ نے اسلامی ریاست کی تاسیس کے وقت مدینہ منورہ میں اپنے پہلے خطبے میں فرمایا تھا کہ:

"ہر معاملے میں قرآن وسنت کی پیروی کرو۔"[2]

۱۱۔ مدینہ منورہ میں رسولؐ اللہ نے جو تحریری دستور اور سیاسی وثیقہ مرتب کروایا تھا، اس کی کی ایک دفعہ یہ تھی کہ:

"ہر معاملے اور ہر قسم کے تنازعے کا فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق کیا جائے گا۔"[3]

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارہ باب السمع والطاعۃ

[2] تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۵۵-۲۵۶ البدایۃ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۱۳

[3] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱-۲ ص ۵۰۱-۵۰۴ طبع مصر ۱۹۵۵ء

قرآن و سنت کے یہ وہ گیارہ دلائل ہیں جو بطور نمونہ اور بطور حاصل مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ میری کتاب اسلامی سیاست میں ۵۰۹ الفاظ قرآنیہ ـ ۱۰ احادیث رسول، تعامل خلفائے راشدین، ۴ مشہور فقہائے اسلام اور ۸ عقلی دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حاکم اعلیٰ اللہ کی ذات ہے اور برتر قانون قرآن و سنت ہے ان دلائل کو سمجھنے کے بعد کوئی ادنیٰ مسلمان بھی بل کی اس دفعہ ۲ سے اختلاف اور اس کے نفاذ میں پس و پیش نہیں کر سکتا الّا یہ کہ وہ دماغی مریض ہو یا اسلام کی حقانیت کے بارے میں متردد ہو۔

دفعہ ۲ کے خلاف حکمران طبقہ کے بہانے

ا۔ تدریج کا بہانہ: پہلا بہانہ برسر اقتدار طبقے کی طرف سے یہ پیش کیا جا رہا ہے کہ چونکہ ہمارا معاشرہ بگڑا ہوا ہے اور ذہنی طور پر شریعت کے احکام کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس لیے شریعت کا نفاذ تدریجی اور ترجیحی طریقۂ کار کے مطابق عمل میں آنا چاہیے۔ ایک ہی مرتبہ اگر پوری کی پوری شریعت کا نسخہ قوم کو دیا گیا تو وہ اسے ہضم نہیں کر سکے گی اور دوبارہ اگل کر پھینک دے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ:

ا ـ تدریج کا عمل ۴۰ سال میں پورا ہو جانا چاہیے تھا۔ اب مزید تدریج کا عمل دہرانا در اصل شریعت کو بالکل معطل کرنے کے مترادف ہوگا۔

ب ـ دوسری اہم بات یہ ہے کہ تدریجی اور ترجیحی طریقۂ کار کسی قانون کے نفاذ میں تو اختیار کیا جا سکتا ہے، لیکن نفاذ کے بعد اس پر عمل کرنے میں اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ شریعت تو پوری کی پوری اس وقت سے مسلمانوں پر نافذ ہو چکی ہے جس وقت اس کی تکمیل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت کے نازل کرنے اور نافذ کرنے میں تو تدریج کا طریقۂ کار اختیار فرمایا تھا۔ لیکن نزول، تنفیذ اور تکمیل کے بعد عمل کرنے میں تدریج کی اجازت اللہ و رسولؐ نے نہیں دی۔ جو لوگ تدریج فی النزول کو تدریج فی العمل کے جواز کی دلیل قرار دیتے ہیں وہ شدید غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا پھر دانستہ طور پر شریعت کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں اور اسے غیر معینہ مدت تک معطل رکھنا چاہتے ہیں۔

معاشرہ تو یہودیوں کا بھی بگڑا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے تدریج کا عمل اختیار کرنے یعنی کچھ پر عمل کرنے اور کچھ پر نہ کرنے کی وجہ سے ان کو ذلیل کیوں کیا تھا اور ان کو اشد العذاب کی وعید کیوں سنائی تھی۔

ج — تیسری بات یہ ہے کہ بگڑے ہوئے اور مریض معاشرے کی اصلاح کرنے اور صحت مند بنانے کا تو طریقہ ہی یہ ہے کہ شریعت کا مکمل نسخہ کیمیا استعمال کرایا جائے۔ جب تک زندگی کے تمام شعبوں میں پوری کی پوری شریعت پر عمل نہیں کیا جاتا اس وقت تک مریض معاشرے کی صحت یابی ممکن ہی نہیں ہے۔ شریعت کا نظام کسی کارخانے کی مشینری یا وقت بتانے والی گھڑی کے سسٹم کی طرح ہے۔ اگر مشینری اور گھڑی کا ایک چھوٹا سا پرزہ بھی ختم یا خراب ہو جائے تو نہ کارخانہ پیداوار دے گا اور نہ گھڑی صحیح وقت بتا سکے گی۔ اسی طرح اگر شریعت کے کچھ احکام پر عمل کیا جائے اور کچھ پر عمل ملتوی کر دیا جائے تو معاشرے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔ آج بھی تو ہمارے معاشرے میں شریعت کے بعض احکام پر لوگ عمل کر رہے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج و عمرہ ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ و عشر دیتے ہیں اور بہت سے دوسرے دینی کام بھی ہو رہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہمارا معاشرہ مسلسل بگاڑ کی طرف جا رہا ہے، اصلاح کی طرف گامزن نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً پر عمل نہیں ہو رہا۔ ہمارا نظامِ عدالت، نظامِ سیاست، نظامِ معیشت اور نظامِ تعلیم تو شریعت کے خلاف ہے اور نظامِ عبادات شریعت کے مطابق ہے اِس طرح حق و باطل کو آپس میں ملا دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حق اور باطل کے ملانے اور دوا کے ساتھ زہر ملانے سے تو مریض صحت یاب نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے مرض میں تو مزید شدت پیدا ہوتی ہے۔

۲ — تدوینِ شریعت | حکومت کا دوسرا بہانہ یہ ہے کہ چونکہ ہماری عدالتیں مدوّن و مرتب قوانین پر فیصلے کرنے کی عادی ہو چکی ہیں اور شریعت چونکہ مدوّن شکل میں موجود نہیں ہے لہٰذا تدوینِ شریعت کی تکمیل تک نفاذِ شریعت کے عمل کو ملتوی رکھا جائے۔ اس بہانے کا جواب یہ ہے کہ:

ا — شریعت قرآن و سنّت کا نام ہے اور قرآن و سنّت کے احکام و قوانین اپنی مکمل

تفصیلات کے ساتھ لکھے ہوئے موجود ہیں۔ صرف زبانی روایات نہیں ہیں۔ تفسیر، حدیث، شروحِ حدیث، فقہ، سیرتِ رسولؐ اور سیرتِ اصحابِ رسول کی کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں پاکستان کے ہر شہر میں دستیاب ہیں۔ اور انہیں کتابوں کی بنیاد پر برصغیر میں انگریزوں کی آمد تک شریعت کے مطابق نظامِ قضا جاری تھا، اس لیے یہ کہنا کہ شریعت مدوّن نہیں ہے سراسر خلافِ حقیقت بات ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ شریعت مروّجہ انگریزی یا اردو زبان میں جدید طرزِ تدوین پر مدوّن نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ شریعت پر عمل کرنے کے لیے یہ کوئی معقول شرط نہیں ہے جو لگائی جا رہی ہے۔ دنیا میں سینکڑوں زبانیں ہیں اور ہر ایک کا اپنا مخصوص طرزِ تحریر اور طریقہ تدوین ہے۔ اگر اس شرط کو لازمی قرار دیا جائے تو پھر شریعت کو اس وقت تک معطل رکھنا پڑے گا جب تک دنیا کی تمام زبانوں میں شریعت کو مدوّن نہ کیا جائے۔ ہر قانون کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے اور اپنا ایک طرزِ تحریر اور طریقہ تدوین ہوتا ہے۔ شریعت کی بھی ایک زبان ہے اور اسی میں شریعت مدوّن بھی ہے۔

شریعت کی اس زبان اور اس کے طرزِ تدوین کو جاننے والے آج بھی موجود ہیں اور جو نہیں جانتے اُن کو سیکھنا چاہیے اور نفاذِ شریعت کے بعد شریعت کی زبان اور اس کے طرزِ تحریر و تدوین کو سمجھنے کا عمل تیز تر ہو جائے گا۔

ب — دوسری بات یہ ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت نے جدید طرزِ تحریر میں مدوّن کر لیے ہیں اور یہ عمل ابھی جاری ہے۔

ج — تیسری بات یہ ہے کہ عدالتوں کے فیصلے غیر مدوّن قوانین پر بھی دنیا میں ہوتے رہے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ برطانیہ کی عدالتیں اپنی قومی روایات پر فیصلے دیتی ہیں اور پاکستان میں بھی بعض قوانین مدوّن نہیں ہیں لیکن ان پر فیصلے ہو رہے ہیں۔

۳ — **ججوں کی شریعت سے لاعلمی کا بہانہ** تیسرا بہانہ یہ ہے کہ تمام عدالتوں کے جج چونکہ شریعت کا ماہرانہ علم نہیں رکھتے اور ان کو شرعی فیصلے دینے کا تجربہ بھی نہیں ہے، اس لیے اگر سب کو اختیار دے دیا جائے تو اکثر فیصلے غلط ہوں گے اور شریعت بدنام ہو جائے گی۔ اس کا

جواب یہ ہے کہ:

ا ــــ بہت سے جج شرعی احکام معلوم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ اُن کی غالب اکثریت شرعی احکام کا علم نہیں رکھتی اور ان کی تعلیم و تربیت اور تجربہ انگریزی قانون کا ہے۔ لیکن کیا کوئی مسلمان عقل و ہوش کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ ججوں کی لاعلمی کی وجہ سے شریعت کے نفاذ کو ملتوی کر دیا جائے؟

ہرگز نہیں ایسی کچی اور گمراہ کن بات کہنے کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ شریعت کو تو فوراً نافذ کر دیا جائے۔ البتہ ججوں کی لاعلمی کا کوئی علاج کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ ہر عدالت میں بقدر ضرورت ماہرین شریعت کو بھی بطور جج مقرر کیا جائے اور اس مقصد کے لیے آئین میں ترمیم کی جائے۔ اور آئندہ کے لیے تعلیمی اداروں میں اسلامی قانون کی تعلیم و تربیت کا معقول اور مؤثر انتظام کیا جائے۔ یہ کوئی ضروری اور لازمی شرط نہیں ہے اور نہ یہ کوئی معقول شرط ہے کہ جج اسی کو بنایا جائے، جس کی تربیت انگریزی طرز پر ہوئی ہو۔ اور وہ انگریزی قانون کا ماہرانہ تجربہ رکھتا ہو، آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں ماہرینِ شریعت کے لیے جج بننے کے راستے بند کر دیے جائیں۔ اور انگریزی قانون کے ماہرین ہی کو جج بنایا جائے اگر ہم نے غیر اسلامی قوانین اور غیر اسلامی عدالتی طریقۂ کار کو بدلنا ہے تو پھر جج بننے کی صلاحیت اور شرائط کو بھی بدلنا ہو گا۔ اسلامی نظامِ عدالت میں قاضی کی شرائط میں سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کا سرسری علم نہیں، بلکہ ماہرانہ علم رکھتا ہو اور وہ مجتہدانہ بصیرت کا حامل ہو۔

ب ــــ دوسری بات یہ ہے کہ آج بھی ماتحت عدالتوں میں غلط فیصلے ہوتے ہیں۔ اور بالائی عدالتوں میں اپیل کے ذریعے غلطیوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اگر کسی ماتحت عدالت سے شریعت کو سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہو تو بالائی عدالتِ مرافعہ میں اپیل کے ذریعے اس کی اصلاح کر لی جائے گی۔

۴ ــ فقہی اختلافات کی وجہ سے فکری انتشار کا بہانہ | اس کا جواب تو بل کی دفعہ ۲ کے جائزے میں دیا جا چکا ہے کہ منصوص اور اجماعی مسائل میں تو یہ خطرہ سرے سے موجود ہی

نہیں ہے۔ اور اجتہادی و قیاسی معاملات میں قاضی جس مسلک پر بھی فیصلہ دے دے وہ سب کے لیے قابلِ قبول ہوگا۔ فکری انتشار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵۔ موجودہ مالیاتی اور عدالتی نظام بحران سے دوچار ہو جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ:

ا۔ شریعت کا نظام اعتدال و توازن پر مبنی ہے۔ اس کی وجہ سے موجودہ غیر متوازن نظام کی اصلاح تو ہو جائے گی لیکن کوئی بحران پیدا نہیں ہوگا۔ حیرت ہے کہ شریعت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے والوں کی زبان اور قلم سے یہ بات کس طرح نکل سکتی ہے کہ شریعت بحران پیدا کرے گی۔ شریعت تو بحرانوں کو ختم کرنے کے لیے آئی ہے۔

ب۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر موجودہ سرمایہ داری، جاگیرداری اور استحصالی نظام اور انگریزی طریقہ سرکار کے خاتمے کو بحران اور انتشار کا نام دیا جا رہا ہے تو نفاذِ شریعت کا تو مقصد ہی ان چیزوں کا خاتمہ ہے۔ اگر یہ چیزیں بدستور بحال رہیں اور ان کو تحفظ دیا گیا تو پھر نفاذِ شریعت اور شریعت بل کے نام سے عوام کو دھوکا تو دیا جا سکتا ہے، شریعت کو عملاً نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ بحران کے اس موہوم خطرے کا ذکر دراصل وہ سیکولر عناصر کرتے ہیں جو موجودہ سرمایہ دارانہ معیشت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور اس استحصال کا راستہ کھلا رکھنا چاہتے ہیں جو شریعت بل کے نفاذ سے بند ہو جائے گا۔

۶۔ آئین سے متصادم ہونے کا بہانہ حکمران طبقے کا سب سے بڑا بہانہ یہ ہے کہ شریعت بل چونکہ آئین سے متصادم ہے اس لیے اسے منظور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ:

ا۔ پہلے تو یہ بتایا جائے کہ بالادستی اور برتری قرآن و سنت کو حاصل ہے یا آئین کو حاصل ہے۔ اگر قرآن و سنت کو بالادستی حاصل ہے اور یقیناً حاصل ہے تو پھر بل اور آئین دونوں کا تقابلی جائزہ لیا جائے۔ اگر شریعت بل میں کوئی چیز قرآن و سنت کے خلاف ہے تو اسے بل سے نکال دیا جائے۔ لیکن اگر بل میں کوئی چیز قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے اس لیے کہ ہمارے بار بار کے مطالبے کے باوجود اب تک بل کی کسی ایک شق کا بھی خلافِ شریعت ہونا ثابت نہیں کیا جا سکا۔ تو پھر آئین میں ترمیم کی جائے۔ اور شریعت سے متصادم

شقوں کو آئین سے نکال دیا جائے۔ یہ کیسا اسلام ہے کہ شریعت کے نفاذ کو آئین کی غیر اسلامی دفعات کی وجہ سے ملتوی رکھا جا رہا ہے۔ شریعت آسمانی قانون ہے اور آئین آسمانی صحیفہ نہیں ہے۔ انسان کے وضع کردہ غیر آسمانی آئین کی وجہ سے آسمانی قانون کو معطل رکھنا اسلام نہیں ہے، بلکہ اس سے بغاوت ہے۔ آئین کو شریعت کے مطابق بنانے کے لیے متحدہ شریعت محاذ نے اپنی ترمیمیں سینٹ کے دفتر میں داخل کر دی ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ ان ترمیموں کو منظور کرلے یا پھر اپنے ہی نویں ترمیمی بل کو مزید جامع اور مکمل صورت دے کر منظور کر ڈالے تاکہ شریعت بل کے راستے میں آئینی رکاوٹ ختم ہو جائے۔

وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سماعت و فیصلہ کی وسعت (دفعہ ۵)

جائزہ | اس دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ صدر ضیاء الحق نے دستور کی دفعہ ۲۰۳ الف میں جن کو تحفظ دیا ہے اور اُسے شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سماعت و فیصلہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اس تحفظ اور استثنا کو ختم کیا جائے تاکہ شرعی احکام کا اطلاق تمام اُمور پر ہو سکے مثلاً عائلی قوانین، مالی اُمور، محصولات، عدالتی طریقہ کار اور دستور کو شرعی احکام کے اطلاق سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس دفعہ ۵ کے ذریعے ان تحفظات کو ختم کرنا مقصود ہے۔ اس کے شرعی دلائل دفعہ ۳ اور دفعہ ۴ کے جائزے میں پیش کر دیے گئے ہیں۔ دفعہ ۴ کے ذریعے اگرچہ تمام عدالتیں شرعی بن جائیں گی، لیکن وفاقی شرعی عدالت کی اپنی جگہ افادیت ہے اس لیے کہ یہ شرعی قوانین کی تدوین کا کام بھی کرتی ہے۔

شریعت کے خلاف احکامات دینے پر پابندی (دفعہ ۶)

جائزہ | اس دفعہ کا مقصد انتظامیہ کو بھی عدالتوں کی طرح شریعت کا پابند بنانا ہے۔ اس دفعہ کا حاصل یہ ہے کہ انتظامیہ کا کوئی فرد بشمول صدر مملکت اور وزیر اعظم شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا۔ اگر ایسا حکم دیا گیا تو عوام پر اس کی اطاعت ضروری نہیں ہوگی اور ایسے حکم کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔ اس دفعہ کی اہمیت اور ضرورت سے ہر مسلمان واقف ہے۔

جب عدالتیں کوئی عدالتی حکم شریعت کے خلاف نہیں دے سکتیں تو انتظامیہ کے کسی فرد کو شریعت کے خلاف احکامات صادر کرنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے - شرعی احکام کی پابندی سے تو کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا - قرآن کریم کی پندرہ آیات میں فساق اور اللہ کے نافرمان لوگوں کی اطاعت سے منع کرنے یا اس کی مذمت کا ذکر ہوا ہے - حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں کہا تھا -

" تم میری اطاعت کرو گے جب تک کہ میں خود اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا رہوں - لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرنے لگوں تو پھر تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے "[1]

دراصل اسلامی حکومت کا سربراہ اور اس کی انتظامیہ خود مختار نہیں ہوتے بلکہ رسول اللہؐ کی نیابت میں کام کرنے والے ہوتے ہیں - اسلامی حکومت کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ :

" یہ وہ ریاست ہوتی ہے جو دینی اور دنیوی امور میں نبی کی نیابت کرتی ہو "[2]

" وہ ریاست جو رسول اللہؐ کی نیابت میں اقامتِ دین کا کام کرتی ہو "[3]

ظاہر ہے کہ نیابتی حکومت کے تمام احکام رسول اللہؐ کی شریعت کے مطابق ہونے ضروری ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ :

" امراء کی بات سننا اور ماننا فرض ہے جب تک کہ گناہ (خلاف شریعت) کا حکم نہ دیا گیا ہو - جب گناہ کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سننا جائز ہے اور نہ ماننا جائز ہے " (بخاری - کتاب الاحکام)

[1] المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۳۳۶

[2] مجموعہ شامی جلد ۱ ص ۱۱۵ - باب الامامۃ

[3] ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہؒ ص ۲ طبع لاہور ۱۹۷۶ء

عدالتی عمل اور احتساب (دفعہ ۷)

جائزہ | اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ " حکومت کے تمام عمّال بشمول صدر مملکت اسلامی قانونِ عدل کے مطابق احتساب سے بالاتر نہیں ہوں گے "۔

شریعت کی بالادستی اور قانونی مساوات کے لیے شریعت بل میں یہ ایک انقلابی دفعہ ہے۔ اسلام کے نظامِ عدل میں عدالت صدر مملکت سے لے کر عام شہری تک اور فوج کے کمانڈر انچیف سے لے کر ادنیٰ سپاہی تک ہر ایک کو جواب دہی کے لیے طلب کر سکتی ہے اور قانون کے مطابق سزا بھی دے سکتی ہے۔ اسلام سے قبل قوی اور طاقت والے کے لیے قانون اور تھا، اور کمزور کے لیے قانون اور تھا۔ محسنِ اعظم نے آکر ان امتیازات کو مٹایا۔ اولادِ آدم کے حقوق کی مساوات کا اعلان کیا، قانون کی بالادستی قائم کی اور طاقت ور اور کمزور کے لیے یکساں احکام نافذ کیے۔

۱۔ مصنف عبدالرزاق میں ایسی کئی روایات آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ نے شریعت کے سامنے اپنے آپ کو احتساب کے لیے اور اپنی ذات سے بدلہ دلانے کے لیے پیش کیا تھا۔ حالانکہ رسول اللہ تو معصوم تھے، مگر امت کے لیے شرعی مساوات کا نمونہ چھوڑنے کے لیے اپنے آپ کو بھی احتساب اور بدلہ لینے کے لیے پیش کیا۔[۱]

۲۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نے اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کیا تھا اور اپنی ذات سے بدلہ لینے کا حق دیا تھا۔[۲]

۳۔ حضرت عثمانؓ بھی اپنی ذات سے بدلہ لینے کا حق دیا کرتے تھے۔[۳]

---

[۱] المصنف لعبدالرزاق طبع بیروت ۱۹۷۲ء جلد ۹ ص ۴۶۹، ص ۴۶۴، ص ۴۶۵
مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۲۸۹ وابوداؤد باب قصِ الامیر من نفسہ
[۲] المصنف لعبدالرزاق جلد ۹ ص ۴۶۸
[۳] کنز العمّال جلد ۱۳ ص ۸۳

۴۔ حضرت علیؓ زرہ کے مشہور مقدمے میں اپنے ہی قاضی شریح کی عدالت میں بنفسِ نفیس پیش ہوئے تھے۔[1]

۵۔ حضرت عمرؓ اپنی حکومت کے تمام عمّال اور ماتحت اُمراء سے قصاص دلوایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خود رسول اللہ کو دیکھا ہے کہ آپ اپنی ذات سے بھی بدلہ لینے کا حق دیا کرتے تھے۔[2]

۶۔ فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ عدالت کا فیصلہ سربراہ مملکت اور عمال حکومت سب پر نافذ ہو سکتا ہے۔[3]

ان واضح اور قطعی دلائل کے باوجود اس دفعہ پر اعتراض کرنا نہ صرف شریعت کے خلاف ہے بلکہ جمہوریت کا بھی مذاق اُڑانا ہے۔ سنتِ رسولؐ اور سنتِ خلفائے راشدین کی مذکورہ زریں روایات سے روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام قانونی مساوات اور جمہوریت میں اپنی مثال آپ ہے۔

مسلّمہ اسلامی فرقوں کے شخصی معاملات ان کے اپنے اپنے مسلک کے مطابق طے کیے جائیں گے (دفعہ ۵)

جائزہ یہ دفعہ ان ۳۱ علماء کے ۲۲ نکات کے مطابق ہے جن میں شیعہ مکتبِ فکر کے نمائندے بھی شامل تھے۔ شریعت بل میں یہ کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے بلکہ تمام مکاتبِ فکر کے علما کے متفقہ فیصلے کو قانونی حیثیت دلانے کے لیے بل میں یہ شق رکھی گئی ہے اس لیے اس بارے میں اختلاف اور اعتراض کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

---

[1] الکامل از ابن اثیر طبع بیروت ۱۹۶۵ء جلد ۳ ص ۳۹۹

[2] ابوداؤد، کتاب الدیات باب قص الامیر من نفسہ، نسائی شریف کتاب القسامہ باب القصاص من السلاطین۔

[3] فتاویٰ قاضی خاں برحاشیہ عالمگیری جلد ۲ ص ۴۴۹ عالمگیری جلد ۳ ص ۳۱۹

غیر مسلموں کو اپنے ہم مذہبوں کے سامنے تبلیغ کی آزادی (دفعہ ۹)

جائزہ شریعت نے غیر مسلم اقلیت (ذمیوں) کے حقوق کے تحفظ کا تاکیدی حکم دیا ہے، ان کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ غیر مسلم اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں۔ اپنے ہم مذہب لوگوں کے سامنے اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اپنے بچوں کو اپنے مذہب کی تعلیم بھی دے سکتے ہیں البتہ اسلام کے خلاف تبلیغ کرنے اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی اجازت ان کو حاصل نہیں ہے۔ اس دفعہ میں غیر مسلم رعایا کے حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔

علماء کو جج مقرر کیا جائے گا (دفعہ ۱۰)

جائزہ چونکہ ہماری موجودہ عدالتیں اُسی پرانے انگریزی قانون کا تجربہ رکھتی ہیں جسے منسوخ کرتے کے لیے شریعت بل نافذ ہوگا تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ نئے اسلامی نظامِ قضا کو چلانے والے وہ لوگ ہوں جو شریعت کا گہرا علم رکھتے ہوں۔ بل میں موجودہ ججوں کی جگہ علماء کے تقرر کی شق نہیں رکھی گئی۔ بلکہ ان کے ساتھ علماء کو بھی بحیثیت جج اور معاونین مقرر کرنے کی دفعہ رکھی گئی جو ضروری ہے۔ آئینِ پاکستان کی دفعہ ۱۷۷ شق ۲ (الف) اور (ب) میں کہا گیا ہے کہ عدالتِ عظمیٰ (سپریم کورٹ) کا جج وہی شخص بن سکتا ہے جو یا تو ۵ سال تک کسی عدالتِ عالیہ (ہائی کورٹ) کا جج رہا ہو، یا کم از کم ۱۵ سال تک کسی عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) کا ایڈووکیٹ رہا ہو۔ اس دفعہ کی رُو سے کوئی عالمِ دین جو جج یا ایڈووکیٹ نہ رہا ہو، عدالتِ عظمیٰ کا جج نہیں بن سکتا۔ یہ آئین کا بہت بڑا سقم ہے جسے دُور کرنے کے لیے دفعہ مذکورہ کی شق ۲-ب میں یہ الفاظ بڑھا دینے ضروری ہیں:

"یا اسلامی قانون کی تدریس، تحقیق یا اِفتا کا دس سالہ تجربہ رکھتا ہو۔"

یہی الفاظ عدالتِ عالیہ سے متعلق دفعہ ۱۹۳ شق ۲ (ج) میں بھی بڑھانے ضروری ہیں، تاکہ ماہرینِ شریعت کو بطور جج مقرر کیا جا سکے۔ اِسی طرح مسلمانوں کے مقدمات کی سماعت اور

فیصلے کے لیے جج کے مسلمان ہونے کی شرط بھی آئین میں بڑھانا لازمی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے مقدمات کے تصفیہ کے لیے غیر مسلموں کا تقرر بالاجماع باطل ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک غیر مسلموں کے لیے غیر مسلم قاضی بنایا جا سکتا ہے[1]

اسلامی نظامِ عدالت میں قاضی کی شرائط و اہلیت قیامِ عدل کے لیے قاضی کا اہل ہونا لازمی شرط ہے۔ نااہل قاضی سے انصاف کی توقع رکھنا کھلی حماقت ہے۔ فقہائے اسلام نے کتاب و سنت کی روشنی میں قاضی کے لیے جو شرائطِ اہلیت بیان کی ہیں، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ مسلمان ہو ۲۔ بالغ ہو ۳۔ عاقل ہو ۴۔ آزاد ہو (غلام نہ ہو)

۵۔ عادل اور صالح ہو، یعنی کبائر اور فواحش سے اجتناب کرتا ہو اور فرائض کی پابندی کرتا ہو۔ ۶۔ عالمِ دین اور فقیہ ہو ۷۔ سلیم الاعضا ہو۔[2]

مرد ہونے کی شرط چونکہ اختلافی ہے اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ورنہ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت قاضیہ نہیں بن سکتی۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے مقدمات میں عورت قاضیہ بن سکتی ہے۔ یہ وہ بنیادی اوصاف ہیں کہ جو شخص ان سے کم از کم حد تک بھی متصف نہ ہو وہ اگر قاضی بنا دیا گیا تو بہت بڑی خیانت ہوگی۔

ججوں کی تربیت کے انتظامات (دفعہ ۱۱)

جائزہ اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ علومِ شرعیہ اور اسلامی قانون کی تعلیم اور ججوں کی تربیت کا ایسا انتظام کیا جائے گا کہ مستقبل میں علوم شرعیہ اور اسلامی قانون کے ماہرین جج تیار ہو سکیں گے۔ انگریزوں نے اپنا نظامِ عدالت جب قائم کیا تو ساتھ اپنا نظامِ تعلیم بھی نافذ کیا تاکہ انگریزی تہذیب اور انگریزی قانون کے ماہرین تیار ہو سکیں۔ اب جب ہم اس نظام کی جگہ اسلامی نظامِ قضا قائم کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ قانون کی تعلیم اور ججوں کی تربیت کا

[1] مجموعہ شامی جلد ۴ ص ۱۵۴

[2] بدائع الصنائع جلد ۲ ص ۳، المغنی از ابن قدامہ جلد ۱۰ ص ۳۶-۳۷

نظام بھی اسلامی بنانا پڑے گا۔ موجودہ لاء کالجوں اور تعلیمی اداروں میں اسلامی قانون اور اسلامی نظامِ تعلیم کا انتظام برائے نام ہے جس کے ذریعے شرعی عدالتوں کے جج تیار نہیں ہو سکتے۔ اس صورتِ حال کو بدلنے اور ماہرین شریعت کی تیاری کے لیے بہترین اور موثر ترین انتظامات کرنے کے لیے یہ دفعہ بل میں رکھی گئی ہے۔

رسول اللہ کے فرائض نبوت میں قرآن وسنت کی تعلیم اور مسلمانوں کی تربیت بھی شامل ہے۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ۔ تو رسول اللہ کی سنت کی پابند نیابتی حکومت کا بھی فرضِ منصبی ہے کہ وہ علومِ شرعیہ اور اسلامی قانون کی تعلیم کا انتظام کرے۔ الماوردی اور ابو یعلیٰ نے اسلامی حکومت کے دس فرائض منصبی بیان کیے ہیں، جن میں سب سے پہلا فرض یہ بتایا ہے کہ وہ حفاظتِ دین، دفاعِ دین اور تعلیمِ دین کا انتظام کرے گا۔[1]

قرآن وسنت کی تعبیر کا طریق کار (دفعہ ۱۲)

اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ قرآن وسنت کی تعبیر کا وہی طریق کار معتبر ہوگا جو امت مسلمہ کے مسلّمہ مجتہدین کے مرتب کردہ اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصولِ فقہ کے قواعد وضوابط کے مطابق ہو۔

جائزہ دفعہ ۲ میں قرآن وسنت کی تعبیر کے لئے مذکورہ مآخذِ اربعہ سے راہنمائی حاصل کرنے کو شرط قرار دیا گیا ہے اور اس دفعہ ۱۲ میں ان مآخذ سے رہنمائی حاصل کرنے اور ان کی روشنی میں قرآن وسنت کی تعبیر کرنے کے لئے مسلمہ اور معروف ومشہور قواعد وضوابط کی پابندی کرنے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر کسی کو اپنی من مانی اور آزاد تعبیر کا حق تو نہیں دیا جا سکتا۔ دنیاوی قوانین کے تعبیر وتشریح کے لئے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں جن

[1] الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۱۵-۱۶۔ الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۷-۲۸

کی پابندی کی جاتی ہے مثلاً۔

قرآن کی تفسیر کے کچھ مسلمہ اصول ہیں جو دور صحابہؓ سے لے کر آج تک امت مسلمہ میں مروج ہیں اور تسلیم شدہ ہیں اور وہ یہ ہیں ۔

۱۔ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے۔

۲۔ قرآن کی تفسیر احادیث سے۔

۳۔ قرآن کی تفسیر اقوال صحابہؓ سے۔

۴۔ قرآن کی تفسیر عربی لغت اور عربی زبان کے قواعد سے۔

تفسیر قرآن کے ان اصول وضوابط کے لئے ماہرین علوم قرآنیہ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً۔

البرہان فی مشکلات القرآن از علامہ شیبذلہ متوفی ۴۹۴ھ

البرہان فی علوم القرآن از علامہ زرکشیؒ متوفی ۷۹۴ھ

الاتقان فی علوم القرآن از علامہ سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ

اسی طرح سنت رسول اور سنت اصحاب رسول سے استدلال کرنے سے پہلے یہ معلوم کیا جائے گا کہ روایت اور درایت کے اعتبار سے حدیث صحیح ہے۔ حسن ہے، ضعیف ہے یا موضوع ہے۔ متواتر ہے، مشہور ہے یا خبر واحد ہے وغیرہ۔ اصول حدیث کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں تمام ضروری قواعد و اصول منضبط کر دیئے گئے ہیں مثلاً الکفایہ از خطیب بغدادیؒ

علوم الحدیث از ابن صلاحؒ

شرح نخبۃ الفکر از ابن حجرؒ متوفی ۸۵۲ھ

اسی طرح فقہ و اجتہاد اور قیاس کے کچھ اصول ہیں مثلاً

- قیاس و اجتہاد اسی وقت قابلِ عمل ہو سکتا ہے جب قرآن کریم، سنت رسولؐ اور سنت اصحاب رسول کی مدد سے درپیش مسئلے کا واضح حکم مل نہ سکے۔

- قرآن وسنت کے مقابلے میں قیاس و اجتہاد نہ جائز ہے اور نہ معتبر ہے۔

- قیاس و اجتہاد کی بنیاد جس علت کو بنایا گیا ہو وہ علتِ مناسبہ ہے یا علت مؤثرہ ہے یا ان دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہے۔
- جس اجماع سے استدلال کیا جا رہا ہو اس کے بارے میں معلوم کرنا پڑے گا کہ وہ صحابہ کا اجماع ہے یا بعد کے مجتہدین کا۔ یہ اجماع نص پر مبنی ہے یا قیاس پر مبنی ہے۔ وقتی مصلحت پر مبنی ہے یا عرف پر مبنی ہے۔ ہم تک یہ اجماع تواتر سے پہنچا ہے یا اخبار آحاد کے ذریعے پہنچا ہے۔ یہ اجماع صریحی تھا یا اجماع سکوتی تھا۔ اجماع کے بارے میں یہ معلومات اس لئے ضروری ہیں کہ درج بالا اقسام میں سے ہر ایک کا الگ الگ حکم ہے۔
- اسی طرح قرآن کریم کے الفاظ سے استدلال کرتے دقت درج ذیل اصطلاحات کو مدنظر رکھنا پڑے گا اس لئے کہ ہر اصطلاح کا حکم الگ ہے۔ ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی مشکل، مجمل، متشابہ، خاص، عام، مطلق، مقید، عبارت النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اقتضاء النص، مئول، امر و نہی، مفہوم مخالف، مفہوم موافق اور مفہوم شرط وغیرہ۔ یہ وہ اصطلاحات ہیں جن کو ملحوظ رکھے بغیر قرآنی الفاظ کے اصل مفہوم کو جاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر اصول فقہ کی کتابوں کا پورا ذخیرہ موجود ہے۔ مثلاً

الرسالہ	از امام شافعیؒ	متوفی	۲۰۴ھ
الاصول	از فخر الاسلام بزدوی	متوفی	۴۸۲ھ
الاصول	از شمس الائمہ سرخسیؒ	"	۴۹۰ھ
الموافقات	از ابو اسحاق الشاطبیؒ	"	۷۹۰ھ
ارشاد الفحول	از قاضی شوکانیؒ	"	۱۲۵۰ھ

عمّال حکومت کے لیے شریعت کی پابندی (دفعہ ۱۳)

اس دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کے ہر فرد کے لئے فرائض شریعت کی پابندی اور محرمات سے اجتناب کرنا لازم ہوگا جو شخص اس کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا وہ مستوجب سزا ہوگا۔ بشرطیکہ کسی دیگر قانون کے تحت یہ جرم مستوجب سزا نہ ہو۔

جائزہ شریعت کی پابندی اگرچہ ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے عمال حکومت شریعت کی خلاف ورزی میں عوام سے آگے نکل گئے ہیں حالانکہ حکمرانوں کو اسلام کا نمونہ پیش کرنا چاہیئے تھا۔ مشہور قول ہے کہ النّاسُ علی دینِ مُلوکِہِم لوگ اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ یعنی نفسیاتی طور پر افسروں اور حکمرانوں کے طرز عمل کا اثر عوام پر پڑتا ہے۔ اس دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ سرکاری افسروں، وزراء گورنروں اور دوسرے تمام چھوٹے بڑے عمال پر شریعت کی پابندی کو لازم قرار دیا جائے اور اسے ان کا نجی معاملہ رہنے نہ دیا جائے۔ تقرریوں، ترقیوں اور تنزلیوں میں تعلیمی قابلیت اور تجربے کے ساتھ شریعت کی پابندی کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے دو قسم کے لوگوں کی حالت جب تک درست رہے گی تو امت کی حالت درست رہے گی اور جب ان کی حالت خراب ہوجائے گی تو امت میں بھی بگاڑ اور خرابی پیدا ہوجائے گی اور وہ ہیں علماء اور امراء۔[1]

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جب تمہارے حکمران اور افسر بدترین لوگ ہوں تمہارے دولت مند بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو پھر تمہارے لئے زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہوگا۔[2]

حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا ہے کہ:

جب تک تمہارے حکمران راہ راست پر قائم رہیں گے اس وقت تک تمہاری حالت اچھی رہے گی۔[3]

ذرائع ابلاغ کی تطہیر (دفعہ ۱۴)

اس دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ تمام ذرائع ابلاغ سے خلاف شریعت پروگراموں اور

۱؎ جامع بیان العلم ص ۱۸۴ - ج - ۱ ۔ ۲؎ ترمذی ابواب الفتن ص ۳۰ ۔ ج ۲ ۔

۳؎ بخاری شریف فضائل اصحاب النبی ۔

فواحش و منکرات کی اشاعت ممنوع ہوگی۔ جو شخص یا ادارہ اس دفعہ کی خلاف ورزی کرے گا وہ مستوجب سزا ہوگا۔ بشرطیکہ کسی دوسرے قانون میں یہ مستوجب سزا نہ ہو۔

جائزہ | نفاذ شریعت کے عمل کو کامیاب اور مؤثر بنانے کے لئے اس دفعہ کی ضرورت ہے جب خلافِ شریعت پروگرام اور فواحش و منکرات ریڈیو، ٹیلیویژن، فلموں، اخبارات رسائل اور لٹریچر کے ذریعے شائع اور نشر ہو رہے ہیں تو عوام ذہنی اور اخلاقی بیماریوں کا شکار ہوتے رہیں گے اور شریعت پر عمل کرنا ان کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ معاشرے کی تطہیر کے لئے ذرائع ابلاغ کی تطہیر کی اہمیت اور ضرورت سے کوئی عقل و خرد رکھنے والا شخص انکار نہیں کر سکتا۔

اسلامی حکومت کا فرض یہ ہے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ کو معروف کی اشاعت اور منکرات کے انسداد کے لئے استعمال کیا جائے۔ سورۃ النور میں فواحش کی اشاعت کو مستوجب سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔ (آیت ۱۹)

حرام کی کمائی پر پابندی (دفعہ ۱۵)

اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ خلافِ شریعت کاروبار کرنا اور حرام ذریعوں سے دولت کمانا ممنوع ہوگا جو شخص اس دفعہ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا وہ مستوجب سزا ہوگا بشرطیکہ کسی دوسرے قانون کے تحت یہ جرم مستوجب سزا نہ ہو۔

اپریل ۱۹۸۵ء میں میں نے شریعت بل کا جو مسودہ قومی اسمبلی کے سیکرٹری کو بھیجا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ اسراف و تبذیر اور غیر شرعی مصارف پر پابندی ہوگی اور حرام ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو ضبط کر لیا جائے گا۔

جائزہ | موجودہ معاشی استحصال اور سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے کے لئے اور اسلامی معیشت کے متوازن اور مبنی بر انصاف نظام کے قیام کے لئے اس دفعہ کی اشد ضرورت

ہے۔ آج ہمارے کروڑوں غریب کسان اور محنت کش عوام بنیادی ضروریات سے محروم ہیں۔ اسی استحصالی نظام میں احساس محرومی کی وجہ سے لوگ سوشلزم کی طرف مائل ہوئے ہیں حالانکہ وہ غریبوں کے استحصال کی ایک دوسری شکل ہے۔ آج ہمارے ملک کے ۹۵ فیصد سرمایہ دار، جاگیردار، کارخانہ دار زمیندار اور بڑے بڑے تجار حرام ذرائع سے دولت کماتے ہیں اور غیر شرعی مصارف پر خرچ کرتے ہیں لیکن غریبوں کو ان کا حق نہیں دیتے، انگریزوں کا یہ مراعات یافتہ طبقہ آج اپنی اسی حرام دولت کے ذریعے ہم پر حکومت کر رہا ہے، انگریزی تہذیب اور انگریزی قوانین کو عوام پر مسلط کئے ہوئے ہے اور نفاذ شریعت کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ اس دفعہ کا مقصد اسی ظالمانہ صورت حال کا خاتمہ ہے۔

بنیادی حقوق کا تحفظ (دفعہ ۱۶)

اس دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ شریعت کے تحت جملہ بنیادی حقوق جو شہریوں کو دیئے گئے ہیں وہ بہر حال نافذ العمل ہوں گے۔ باوجود اس امر کے کہ وہ دستور کے حصہ دوم، باب نمبر ۱ میں مندرج بنیادی حقوق سے مختلف ہوں یا متعلقہ موضوع سے متعلق دستور میں مندرج نہ ہوں۔

جائزہ اس دفعہ کا مقصد بنیادی حقوق کا تحفظ کرانا ہے اور انہیں قانونی حیثیت دینا ہے۔ شریعت نے جو حقوق دیئے ہیں وہ عوام کو ملنے چاہئیں خواہ دستور میں وہ حقوق درج ہوں یا نہ ہوں۔ عورتوں، محنت کشوں، کسانوں اور دوسرے مفلوک الحال لوگوں کے لئے شریعت نے جو حقوق دیئے ہیں وہ آج پامال ہو رہے ہیں اور غصب ہوئے ہیں۔ حکمران طبقہ چونکہ استحصالی طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے مختلف حیلوں، بہانوں سے عوام کے حقوق غصب کر رہا ہے۔ شریعت میں عوام کے بنیادی حقوق کی پوری تفصیل موجود ہے۔ یہ حقوق خود اللہ نے دیئے ہیں جنہیں چھیننے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔

قواعد سازی کے اختیارات (دفعہ ۱۷)

اس دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ شریعت بل کے عملی نفاذ اور اس کے مقاصد کے حصول کے لئے حکومت کو قواعد سازی کا اختیار دیا جائے۔ یہ ایک معمول کی دفعہ ہے جو جائزے کی محتاج نہیں ہے۔

اپیل

یہ وہ ۱۷ دفعات ہیں جن کا الگ الگ جائزہ لیا گیا ہے اور عوام کی عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ میں اپنے ملک کے دانشوروں، علماء دین، مشائخ اسلام، حکمران گروہ اور عوام سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے اس جائزے کا بغور مطالعہ کریں اور خالص علمی انداز میں بتائیں اور واضح فرمائیں کہ اس شریعت بل کی کونسی دفعہ اور کونسی شق اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے یا اس سے قومی یک جہتی کو نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ لیکن جوبات کی جائے شریعت کی روشنی میں اور شرعی دلائل کے ساتھ کی جائے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وَارْزُقنا اجتنابہ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا مُحَمَّدٍ وَّعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین